''تیرا گھر برکتوں سے بھرے گا اور میں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کروں گا اور خواتین مبارکہ سے جن میں سے تو بعض کو اس کے بعد پائے گا- تیری نسل بہت ہو گی اور میں تیری ذریت کو بہت بڑھاؤں گا اور برکت دوں گا۔''
(تذکرہ صفحہ۱۴۳)

سیرۃ وسوانح

خاتونِ مبارکہ

حضرت سیدہ امِ ناصر صاحبہ

(احمدی خواتین کی تعلیم وتربیت کیلئے)

مرتبہ پروفیسر سیدہ نسیم سعید

یکے از مطبوعات لجنہ اماء اللہ لاہور

فہرست مضامین

عرض حال

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود کو خواتین مبارکہ کے متعلق بھی ایک وعدہ دیا تھا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''تیرا گھر برکتوں سے بھرے گا اور میں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کروں گا اور خواتینِ مبارکہ سے جن میں سے تو بعض کو اس کے بعد پائے گا۔ تیری نسل بہت ہوگی اور میں تیری ذریت کو بہت بڑھاؤں گا اور برکت دوں گا۔''

(تذکرہ صفحہ ۱۴۳)

لجنہ اماء اللہ لاہور کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ''خواتین مبارکہ'' کی سیرۃ وسوانح مرتب کرنے کی توفیق مل رہی ہے۔ یہ اس سلسلے کی دوسری کڑی ہے۔ پہلی کتاب سیرۃ و سوانح حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا دوسرا ایڈیشن تقریباً ختم ہے۔ اس کتاب کو الحمدللہ جماعت کی طرف سے بہت پذیرائی ملی۔

موجودہ کتاب حضرت سیدہ امِ ناصر صاحبہ کی سیرۃ و سوانح ہے۔ تذکرہ کے مذکورہ الہام میں حضرت اماں جان کے بعد حضور کے خاندان میں جو خواتین آپ کی نسل میں ہونے کی وجہ سے آئی ہیں وہ تو بوجہ آپ کی نسل ہونے کے پہلے سے خواتین مبارکہ ہیں۔ اس الہام میں خاص طور پر حضرت اماں جان کے بعد خاندان میں شامل ہونے والی اُن خواتین مبارکہ کی طرف بھی اشارہ ہے جو دوسرے گھروں میں پیدا ہوئیں مگر خداتعالیٰ کی نوازش نے اُن کو چُنا اور انہیں حضرت مسیح موعود کے مبارک خاندان میں داخل کر دیا اور

ایسے رنگ میں داخل کر دیا کہ وہ ذرّیت طیبہ کی ماں بن گئیں۔ حضرت سیدہ امِ ناصر صاحبہ حضرت مسیح موعود کی زندگی میں ہی آپ کی پہلی بہو بنیں۔

صاحبزادی فوزیہ شمیم صاحبہ صدر لجنہ اماء اللہ لاہور کی دلی خواہش ہے کہ تمام خواتین مبارکہ کی زندگی کے حالات اور اخلاق و سیرۃ کتابی صورت میں مرتب کئے جائیں تا کہ ممبرات لجنہ اماء اللہ اُن کے اخلاق اور نیکی کو اپنائیں۔ اللہ تعالیٰ اس اہم ذمہ داری کو بحسن و خوبی ادا کرنے کی خاکسار کو توفیق دے۔ آمین

اس کتاب میں مواد آپ کی وفات کے بعد آپ کے بارے میں سلسلے کے اخبارات و رسائل میں شائع ہونے والے مضامین سے لیا گیا ہے نیز صاحبزادہ مرزا رفیق احمد صاحب کی کتاب ''میری امی جان'' اور آپ کی صاحبزادیوں اورعزیزوں کی وہ تحریرات جو انہوں نے میری درخواست پر لکھ کر بھیجیں۔

سیدہ نسیم سعید
سیکرٹری شعبہ تصنیف و تالیف
لجنہ اماء اللہ لاہور
۵-۵-۲۰۰۲

حضرت سیدہ ام ناصر صاحبہ نور اللہ مرقدھا

حضرت سیدہ ام ناصر صاحبہ حضرت مسیح موعود کے ایک مخلص صحابی حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کی بڑی صاحبزادی تھیں۔ ام ناصر کا اصل نام رشیدہ بیگم صاحبہ تھا۔ حضرت مصلح موعود کے ساتھ شادی کے بعد حضرت اماں جان نے ان کا نام تبدیل کر کے محمودہ بیگم رکھ دیا لیکن حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ کی ولادت کے بعد وہ امِ ناصر کے نام سے معروف ہوئیں۔

والد کی طرف سے آپ کا شجرہ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملتا ہے اس لئے خاندان قریش کہلاتا ہے۔ آپ کے دادا خلیفہ حمید الدین اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم اور بڑے متقی پرہیزگار شاہی مسجد کے امام تھے۔ آپ نے انجمن حمایت اسلام اور اسلامیہ سکول کی بنیاد ڈالی۔ خلیفہ حمید الدین صاحب کو اسلام اور قرآن سے بے انتہا محبت تھی لہٰذا آپ نے اپنے تمام لڑکوں کو قرآن شریف حفظ کروایا۔ اسی طرح حضرت امِ ناصر کی ایک پھوپھی بھی حافظہ قرآن تھیں۔

(کتاب ''میری امی جان'' صاحبزادہ مرزا رفیق احمد صاحب، صفحہ ۱۰۱)

گویا آپ کے دادا، پردادا، نانا، تمام چچا اور پھوپھی سب ہی قرآن کریم کے حافظ تھے۔ اور پھر اس برکت میں اللہ تعالیٰ نے یوں اضافہ کیا کہ آپ کے فرزند حضرت خلیفہ المسیح الثالث حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ بھی اللہ

تعالیٰ کے فضل سے حافظِ قرآن بنے۔ پس خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ جو قرآن کریم کو عزت دے گا میں اس کو آسمان پر عزت دوں گا۔ حضرت ام ناصر کے وجود مبارک کے ذریعے پورا ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمان اور زمین دونوں پر عزت کا مقام عطاء فرمایا۔

آپ کے والد حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب لاہور کے رہنے والے تھے اور رُڑکی میں ملازمت کرتے تھے۔ حضرت مسیح موعود سے بہت دلی تعلق تھا۔ اکثر قادیان حضور کے پاس آ کر اپنے خلوص اور فدائیت کا اظہار کرتے تھے۔ حضرت مسیح موعود کو اللہ تعالیٰ نے بار بار تریٰ نسلاً بعیداً کا وعدہ فرمایا تھا۔ اگرچہ حضور کے صاحبزادگان ابھی چھوٹے ہی تھے لیکن حضور خدائی مشیت کے تحت ان بچوں کی شادیاں جلد کرنی چاہتے تھے۔ حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کی عقیدت اور فدائیت کا حضور اقدس کے دل پر اثر تھا۔ حضور نے اپنے بڑے صاحبزادے حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کا رشتہ خود تجویز فرمایا تھا۔ ۱۸۹۵ء میں (جب حضرت مصلح موعود صرف سات برس کے تھے حضرت مسیح موعود نے حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کے نام مکتوب میں اس رشتہ کی ابتدائی خیال کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

ایک مرتبہ میرے دل میں خیال آیا تھا کہ اب میرے یہ چھوٹے تین لڑکے ہیں۔ محمود (ہفت سالہ) بشیر (تین سالہ) شریف (پانچ ماہ) بہتر ہو کہ اگر خدا تعالیٰ چاہے قریب بلوغ ہو کر بشرطیکہ جانبین کی اولاد میں خدا تعالیٰ کا فضل خیر و عافیت رکھے آپ کی کسی لڑکی سے کوئی لڑکا منسوب ہو۔ یہ خیال صرف میرے اس نیک ظن سے پیدا ہوا تھا۔ جو مجھے آپ کے باطنی اخلاص

اور محبت پر ہے---- اس خیال کو ابھی قابلِ ذکر نہ سمجھا جائے کہ خود بچے بہت کم سن ہیں۔ ابھی بلوغ تک زمانہ پڑا ہے۔ وہی ہو گا جو خدا کی طرف سے مقدر اور اس کی نظر میں پسندیدہ ہے۔

(الحکم ۱۴ مئی ۱۹۳۴ء صفحہ ۷)

اور جب صاحبزادہ صاحب چودہ سال کے ہوئے تو حضور اقدس نے باقاعدہ رشتہ تجویز فرمایا چنانچہ تاریخ احمدیت میں اس نکاح اور شادی کی تفصیلات کچھ اس طرح ہیں:

''اکتوبر ۱۹۰۲ میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی تقریب نکاح عمل میں آئی۔

''حضور کے ایک مخلص عقیدت مند حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشیدالدین صاحب تھے جن کی بڑی صاحبزادی رشیدہ تھیں۔ سیدنا حضرت مسیح موعود نے ڈاکٹر صاحب کو انہی کے متعلق رشتہ کی تحریک فرمائی۔'' پھر کچھ مدت بعد لکھا کہ ''اس رشتہ پر محمود بھی راضی معلوم ہوتا ہے گو ابھی الہامی طور پر اس بارے میں کچھ معلوم نہیں، جس کے معلوم ہونے کے بارے میں مجھے خواہش ہے، تا کہ کوئی کام ہمارا مرضی الٰہی کے خلاف نہ ہو۔ مگر محمود کی رضا مندی ایک دلیل اس بات پر ہے کہ یہ امر غالباً واللہ اعلم جناب الٰہی کی رضا مندی کے موافق انشااللہ ہو گا۔ لہٰذا آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ اگر خدا تعالیٰ کی یہ مرضی ہو اور اس میں کوئی مخالفت نہ ہو جائے جس کے مقابل پر سب ارادے کالعدم ہو جاتے ہیں تو اس صورت میں اور اس شرط سے آپ تیار اور مستعد رہیں۔ کہ جب آپ کو مسنون طور پر نکاح کے لئے لکھا جائے۔ چند ہفتے تک استخارہ کریں کہ ہر ایک کام جو استخارہ اور اللہ تعالیٰ کی مرضی سے کیا جاتا ہے۔ وہ

بحالیکہ مبارک ہوتا ہے۔ دوسرے میرا ارادہ ہے کہ اس نکاح میں انبیاء کی سنت کی طرح سب کام ہو۔ بدعت اور بیہودہ مصارف اورلغو رسوم اس نکاح میں نہ ہوں بلکہ ایسے سیدھے سادھے طریق پر ہو جو خدا کے پاک نبیوں نے پسند فرمایا ہے۔ نکاح ہو جاوے تا موجب برکات ہو۔"

(مکتوب بنام ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب، بحوالہ تاریخ احمدیت جلد دوم صفحہ ۲۲۳۔۲۲۴)

حضرت ڈاکٹر صاحب کے غیر احمدی خاندان میں اس پر مخالفت ہوئی۔ مگر حضرت ڈاکٹر صاحب نے بلا تامل اپنے آقا کے ارشاد پر سرِ تسلیم خم کر دیا۔ جس پر اکتوبر ۱۹۰۲ء کا پہلا ہفتہ نکاح کے لئے مقرر ہوا اور قرار پایا کہ نکاح رُڑکی میں ہو۔ چنانچہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب دو اکتوبر ۱۹۰۲ء کو قادیان سے علی الصبح حضرت مولوی نور الدین صاحب، حضرت سید ناصر نواب صاحب، حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی حضرت سید محمد اسماعیل صاحب، حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی، حضرت مفتی محمد صادق صاحب اور حضرت ڈاکٹر نور محمد صاحب کے ہمراہ رڑکی کے لئے روانہ ہوئے اور اسی روز عشاء کے وقت رڑکی پہنچے۔ اسٹیشن پر حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب اپنے دوستوں کے ساتھ استقبال کے لئے موجود تھے۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب نے حضرت ڈاکٹر صاحب کی صاحبزادی سیدہ رشیدہ بیگم صاحبہ کا ایک ہزار روپیہ مہر پر نکاح پڑھا۔ ڈاکٹر صاحب کے بھائی اس رشتہ میں ان کے مخالف تھے اور اسی وجہ سے شامل بھی نہ ہوئے تھے مگر حضرت ڈاکٹر صاحب نے اس کی چنداں پرواہ نہ کی اور یہی کہا کہ بہرحال مسیح موعود کے حکم کی تعمیل ہونی چاہیئے۔"

(الحکم ۱۹۰۲۔۱۰۔۱۷، صفحہ ۸۔۹ بحوالہ تاریخ احمدیت جلد دوم صفحہ ۲۲۴)

۵ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو بعد نماز عصر یہ قافلہ رڑکی سے بخریت قادیان پہنچا اسی روز نماز مغرب کے بعد حضرت مسیح موعود حسبِ معمول شہ نشین پر رونق افروز ہوئے تو حضرت مولوی نور الدین صاحب نے مبارک باد دی اور حضرت ڈاکٹر صاحب کے اخلاق کی بہت تعریف کی جس پر حضور نے اظہار خوشنودی کرتے ہوئے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت اخلاق دیا ہے ان میں اہلیت اور زیرکی بہت ہے میں نے دیکھا ہے ان میں نور فراست بھی ہے۔''

(تاریخ احمدیت جلد دوم نیا ایڈیشن صفحہ ۲۲۴)

رُخصتانہ

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کا نکاح تو اسی سال ہوا مگر رخصتانہ کی تقریب اگلے سال ۱۹۰۳ء میں اکتوبر کے دوسرے ہفتہ آگرہ میں عمل میں آئی جہاں ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب میڈیکل کالج میں پروفیسر تھے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب ۱۱ اکتوبر ۱۹۰۳ء کی شام کو اپنے اہل بیت کے ساتھ قادیان پہنچے بارات میں آپ کے ساتھ نانا جان حضرت سید ناصر صاحب بھی تھے۔

آپ کے بطن سے یہ اولاد ہوئی

صاحبزادہ مرزا نصیر احمد صاحب (متوفی)

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ولادت ۱۶ نومبر ۱۹۰۹ء، وفات ۹ جون ۱۹۸۲ء

صاحبزادی ناصرہ بیگم صاحبہ

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب ولادت ۹ مئی ۱۹۱۴ء

صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب ولادت یکم فروری ۱۹۱۸ء وفات ستمبر ۱۹۹۰ء
صاحبزادی امۃ العزیز بیگم صاحبہ (متوفیہ)
صاحبزادی امۃ العزیز بیگم صاحبہ (ثانی)
صاحبزادہ مرزا حفیظ احمد صاحب (متوفی)
صاحبزادہ مرزا حفیظ احمد صاحب ثانی ولادت ۱۹۲۶ء
صاحبزادہ مرزا انور احمد صاحب ولادت ۳ اکتوبر ۱۹۲۷ء
صاحبزادہ مرزا اظہر احمد صاحب ولادت ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۰ء
صاحبزادہ مرزا رفیق احمد صاحب ولادت ۲۸ جولائی ۱۹۳۵ء

(تاریخ احمدیت جلد دوم صفحہ ۲۲۳ تا ۲۲۵)

حضرت مسیح موعود سے محبت

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ حضرت سیدہ ام ناصر صاحبہ کے بارے میں لکھتی ہیں:

''حضرت مسیح موعود سے اور حضرت اماں جان سے بھی خاص تعلق تھا۔ بچپن تھا مگر فطرتی شرم اور جھجک کی وجہ سے ان کے سامنے خاموش ہی رہتی تھیں۔ بہت کم اس زمانہ میں بات کرتے بڑوں سے میں نے ان کو دیکھا۔ اکثر وقت اپنے کمرے میں گزارتی تھیں۔ اکثر شام کو باہر آنا تو مؤدب ہو کر بیٹھنا اور حضرت مسیح موعود کے سامنے بھی دوپٹہ بہت لپیٹ کر اوڑھے رکھنا ان کا طریق تھا جسے پنجابی میں ''دوہری بُکل'' کہتے ہیں۔ اب لڑکیوں نے شاید یہ طریقہ دیکھا بھی نہ ہو۔ اسی صورت میں دوپٹہ اوڑھ کر صحن میں نکلتی تھیں۔ یہ ایک طرح کا گھر کا پردہ ہی ہوتا ہے۔ حالانکہ اس وقت شروع میں پردہ والا کوئی گھر میں خاص نہ ہوتا تھا۔ بڑے ماموں جان اکثر باہر اور چھوٹے ماموں جان اور دوسرے میرے بھائی تو ابھی چھوٹے لڑکے سے تھے مگر انہوں نے ہمیشہ بہت لحاظ اور شرم کا طریق یکساں ملحوظ رکھا۔ کبھی میں نے ان کو لڑکوں سے بات کرتے نہیں دیکھا۔ مجھے بیشک ہر وقت یعنی جتنا بھی وقت مل سکتا اپنے پاس رکھنے کی کوشش کرتی تھیں۔ لحاظ، شرم و حیا اور صبر و رضا ان کی خصوصیت میں سے تھے۔

حضرت مسیح موعود کی خدمت کی بہت خواہش رہتی تھی۔ مجھے یاد ہے

زیادہ بے تکلف نہ تھیں مگر وضو فرمانے لگتے تو لوٹا اٹھا کر پانی ڈالنے لگتیں۔ غرض اسی طرح چاہتی تھیں کہ کوئی کام کروں۔ گورداسپور میں جب حضرت مسیح موعود عدالت میں تشریف لے جاتے تو میرے ساتھ ٹوکرا لگا کر مینا چڑیاں پکڑا کرتی تھیں۔ بہت ہی ذوق شوق سے کہ حضور واپس آئیں گے تو آپ کے لئے شکار کا گوشت تیار رکھیں گے۔ حضرت اقدس بھی بہت شفقت فرماتے تھے۔ ایک بار یونہی کسی نے بات اُڑا دی تھی کہ میاں (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) دوسری شادی کریں گے تو حضرت مسیح موعود نے سُن کر بہت پیار سے بھابھی جان کو دلاسا دیا اور فرمایا کہ ''میری زندگی میں تم کو کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔''

اس وقت مغرب کا وقت تھا اور آپ وضو فرما رہے تھے۔ اس صحن میں تھے جو اب دارالمسیح قادیان میں ام ناصر کا صحن کہلاتا ہے۔ وہ بات پوری ہوئی شادیاں مقدر تھیں ہو کر رہیں مگر حضرت اقدس کی زندگی میں یہ تکلیف بھابھی جان کو نہیں پہنچی۔''

(مصباح ستمبر ۱۹۵۸ء صفحہ ۴)

صاحبزادہ مرزا رفیق احمد صاحب اپنے مضمون میں تحریر کرتے ہیں:

''جب میرے نانا حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب پہلی بار قادیان تشریف لائے تو آپ ان کے ہمراہ تھیں۔ آپ کی عمر تقریباً نو یا دس سال کی تھی۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کی رہائش کا انتظام حضرت مسیح موعود کے مکان کے مردانہ حصہ میں کیا تھا امی جان اپنی والدہ کے ساتھ زنانہ حصہ میں تھیں اور سناتی تھیں کہ جب میں نے حضرت مسیح موعود کو دیکھا تو مجھ پر اس قدر اثر پڑا کہ میں آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھ سکی۔ نو دس سال کی لڑکی کا ایسے شخص کی

محبت کا گرویدہ ہو جانا جو بنی نوع انسان کے لئے اپنے سینے میں بے پناہ محبت لئے ہوئے تھا جہاں آپ کی فراست اور خداداد قابلیت کا مظہر ہے وہاں اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ خدا تعالیٰ نے نو عمری میں ہی آپ کے دل میں احمدیت اور سیدنا مسیح موعود سے کس قدر عشق پیدا کر دیا تھا۔

حضرت امی جان کو حضرت مسیح موعود سے انتہائی اخلاص اور عقیدت تھی۔ آپ سناتی تھیں کہ جب میری شادی ہوئی اس وقت ۱۱ سال کی تھی مگر میرا دل ہر وقت چاہتا تھا کہ حضرت صاحب کے پاس رہوں اور اکثر حضرت مسیح موعود کے کام کرتیں۔ لیکن آپ کو ایک بات کا انتہائی رنج تھا جس کا بار بار تذکرہ کرتیں کہنے لگیں مجھے جب کسی چیز کی ضرورت ہوتی حضرت مسیح موعود کے پاس جاتی اور کہتی حضور مجھے اتنے پیسے چاہیں حضور سے بڑی بے تکلفی سے مانگتی تھیں حضور فوراً دے دیتے تھے اور اکثر اوقات خود بلا کر بھی دے دیتے، بے حد خیال رکھا کرتے تھے آپ فرماتی ہیں کہ افسوس میں وہ روپے جمع کر لیتی تو میں اور میری اولاد اس تبرک سے برکتیں حاصل کرتے۔ حضرت مسیح موعود کی زندگی میں آپ کے ہاں سب سے پہلے لڑکے نصیر احمد صاحب پیدا ہوئے جس کی حضور کو بہت خوشی ہوئی اور آپ نے اپنی پگڑی اور قمیض دی کہ ''اس کے کپڑے بنواؤ'' جو آپ نے آخری وقت تک سنبھال کر رکھے۔ اس طرح حضرت مسیح موعود کا یہ تبرک براہِ راست آپ کے پاس رہا۔

پارٹیشن کے بعد قادیان سے لاہور آئیں تو اپنے ساتھ حضرت مسیح موعود کے تبرکات خاص طور پر سنبھال کر لائیں آپ کے پاس حضور کا ایک چمچہ تھا جس سے حضور دوائی پیا کرتے تھے آپ فرماتیں کہ مجھے دیر سے اس بات کا خیال تھا کہ اگر میرا کوئی بیٹا ڈاکٹر بنا تو اُسے دے دوں گی خدا نے

آپ کی یہ خواہش پوری کر دی اور آپ کے لڑکے مرزا منور احمد صاحب کو ڈاکٹر بنا دیا اور اس طرح حضرت صاحب کا یہ تبرک آپ نے ان کو دے دیا جیسا کہ میں نے حضرت صاحب کی قلم کے متعلق لکھا ہے آپ اکثر اوقات فرماتی تھیں کہ قلم کے متعلق بھی میں یہ ہی سوچا کرتی تھی کہ اپنے کسی مبلغ بیٹے کو دوں گی (غالبًا اب وہ مرزا مبارک احمد صاحب کے پاس موجود ہے۔)''

(''میری امی'' صاحبزادہ مرزا رفیق احمد صاحب، صفحہ ۲۸۔۲۹)

حضرت اماں جان سے عقیدت و محبت

حضرت ام ناصر صاحبہ آپ کی بہو کے جذبات آپ کی وفات پر

موت ایک ایسی چیز ہے جو عزیز سے عزیز چیز کو بھی چھین لیتی ہے۔ آج ہماری محبوب ماں حضرت اماں جان جن کا سایہ، میرے لیے ہمیشہ سایۂ ہُما رہا، ہمیں داغ مفارقت دے کر اپنے مولائے حقیقی کے پاس چلی گئیں۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

کئی عزیز بہنو کی خواہش پر کہ آپ کوئی واقعات لکھ کر دیں چند واقعات لکھ رہی ہوں جو کہ میری ابتدائی زندگی یعنی جب میں حضرت مسیح موعود کے وقت میں ۱۹۰۲ء میں بیاہی آئی۔ اس کے متعلق لکھوں۔ اُس وقت میں بچپن اور کم سنی کے دور میں سے گزر رہی تھی۔ میری عمر کا گیارہواں سال تھا جبکہ میری شادی ہوئی اور یہ شادی حضرت مسیح موعود کی خواہش سے۔ میرے والد صاحب (ڈاکٹر خلیفہ رشیدالدین صاحب) نے حضور سے عرض کیا کہ لڑکی کی عمر بہت چھوٹی ہے اس پر حضور نے فرمایا کہ کوئی نہیں یا کوئی حرج نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و احسان تھا کہ بچپن میں آنے کی وجہ سے میں نے اس نعمت کو پایا اور اُن کی شفقت محبت اور دُعاؤں سے مجھ پر انعام اور فضل نازل فرمایا۔

آپ کی شفقت والدین سے بھی بہت بڑھ کر تھی۔ حضور ہمیشہ نہایت پیار سے محمودہ کہہ کر بُلاتے تھے۔ جب میں شادی ہو کر پہلی دفعہ آئی تو میں

حضرت اماں جان کے ساتھ تین رات سوئی۔ آپ فرماتی تھیں کہ یہ بچہ ہے اُداس ہو جائے گی پھر میں دوبارہ ایک سال کے بعد آگرہ سے قادیان آئی (کیونکہ میرے ابا جان کا تبادلہ رُڑکی سے آگرہ ہو گیا تھا) حضرت اماں جان کے پاس سوئی مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں گویا اپنی والدہ سے بھی زیادہ شفیق والدہ کے ساتھ سو رہی ہوں۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں حضرت اماں جان کے ساتھ چمٹی ہوئی تھی اور آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ حضرت اماں جان نے بہت پیار کیا تو میں ضبط نہ کرسکی رفتہ رفتہ آپ کی محبت و الفت کی چادر مجھ پر کشادہ ہوتی گئی یہاں تک کہ میں اپنا میکہ بھول گئی گویا ایک ماں کی گود سے نکل کر دوسری آغوشِ مادر میں خدا تعالیٰ نے بھیج دیا۔ ناصر احمد پیدا ہوا تو وہ جنوری کا مہینہ تھا، جمعہ کا دن تھا میں نے حضرت اماں جان کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ مجھے تکلیف ہے آپ نماز پڑھ کرتشریف لے آئیں۔ آپ کے آنے کے بعد بچہ پیدا ہوا بچہ کو غسل وغیرہ دے کرحضرت اماں جان کی گود میں دیا۔ آپ نے فرمایا کہ محمودہ! اس بچے کے لیے کوئی گرم شال نہیں ہے؟ اس پر میں نے کہاں نہیں اماں جان (منگوائی نہیں) آپ نے جو گرم چادر اوڑھی ہوئی تھی اور جس کا رنگ نسواری تھا اس میں بچے کو لپیٹ دیا۔ یہ ایک ایسی ہستی کی مثال ہے جو سراپا شفقت اور رحمت تھی۔

ان کا غریبوں کے ساتھ شفقت سے پیش آنا اور امیروں کے ساتھ ان کی ہمدردی جو تھی وہ بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔

عبادت ۔ صابرہ ۔ دُعائیں

میں نے انہیں کبھی خالی وقت میں خاموش نہیں دیکھا۔ وہ دُعا جو وہ اکثر گھبراہٹ کے وقت پڑھا کرتی تھیں وہ ''**یا حي یا قیوم برحمتک**

نستغیث'' ہے اور حقیقت ہے میں نے دعائیں سیکھی ہی حضرت اماں جان سے ہیں۔

دوسری دعا جو وہ کرتی تھیں وہ یہ تھی ''سبحان اللّٰہ و بحمدہٖ سبحان اللّٰہ العظیم'' اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اس بات کا بے حد صدمہ ہے کہ جو دعاؤں کا دروازہ ہمارے لیے کھلا تھا وہ اماں جان کی وفات سے بند ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ محبوب مادر مہربان پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے اور فضلوں اور رحمتوں کی چادر سے ڈھانپ لے۔ آمین یا رب العالمین!

(مصباح خاص نمبر۲ ۱۹۵۲ء)

حضرت ام ناصر صاحبہ کی تعلیم اور دینی خدمات

حضرت ام ناصر صاحبہ اگرچہ کسی سکول اور مدرسہ میں نہیں پڑھی تھیں لیکن حفاظ قرآن سے خاندان بھرا ہوا تھا اور دینی گھرانہ تھا قرآن کریم پڑھا ہوا تھا پھر چھوٹی عمر میں حضرت مسیح موعود کی بہو اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی بیوی بنیں جو سونے پر سہاگہ ہوا آپ نے سینکڑوں بچیوں کو قرآن کریم پڑھایا۔

حضرت مصلح موعود حضرت امۃ الحئی بیگم صاحبہ کی اعلیٰ تعلیم اور ذوق و شوق کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''میری بڑی بیوی بھی پڑھائی میں تو امۃ الحئی کے برابر ہیں لیکن بعض روکوں کی وجہ سے کچھ بچوں کی کثرت اور ان کی تربیت میں مشغول رہنے کی وجہ سے ان کو وسیع مطالعہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔''

(انوار العلوم جلد ۹ صفحہ ۹)

اہلیہ صاحبہ ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب کا بیان ہے کہ ان دنوں (۱۹۲۳ء) کچھ ممبرات اور لڑکیاں حضرت سیدہ امۃ الحئی صاحبہ سے پڑھتی تھیں اور کچھ حضرت سیدہ امِ ناصر احمد صاحبہ سے چنانچہ اہلیہ صاحبہ ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب حضرت سیدہ ام ناصر صاحبہ سے پڑھتی تھیں۔

(تاریخ لجنہ، جلد اول صفحہ ۱۱۹)

مجلسِ شوریٰ ۱۹۲۵ء میں لجنہ اماء اللہ کی تعلیمی رپورٹ میں بتایا گیا ''دو درس گاہیں حضرت مسیح موعود کے گھر کے اندر ہیں اول والدہ ناصر احمد

صاحب اہلیہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ ان کے پاس چھ سات لڑکیاں باقاعدہ قرآن شریف عربی اور کتب حضرت مسیح موعود پڑھتی ہیں۔''

(تاریخ لجنہ، جلد اول صفحہ ۱۲۸)

آپ مضامین بھی لکھتی رہیں چنانچہ عورتوں کا پہلا رسالہ ''احمدی خاتون'' میں جو حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے جاری فرمایا تھا اُس کے اکثر پرچوں میں آپ کے مضامین نظر آتے ہیں۔

جلسہ سالانہ قادیان ۱۹۲۳ء میں مہمان خواتین کے قیام کا انتظام تین مقامات پر ہوتا تھا اور ناظمہ کا عہدہ حضرت سیدہ ام ناصر صاحبہ کا تھا۔

(تاریخ لجنہ، جلد اول صفحہ ۱۲۲)

حضرت سیدہ ام ناصر صاحبہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ قیام لجنہ اماء اللہ ۱۹۲۲ء سے اپنی وفات ۱۹۵۸ء تک آپ لجنہ کی صدر رہیں۔ لجنہ اماء اللہ کے قیام کا پہلا اجلاس زیر صدارت حضرت اماں جان منعقد ہوا اور صدر لجنہ اماء اللہ کے انتخاب کے بعد حضرت اماں جان نے حضرت سیدہ ام ناصر صاحبہ کا ہاتھ پکڑ کر کرسی صدارت پر بٹھا دیا۔

(تاریخ لجنہ، جلد اول صفحہ ۷۳)

خلافت جوبلی کے موقع پر جب صحابیات نے لوائے احمدیت کے لئے سوت کاتا تو آپ نے بھی اس میں حصہ لیا۔

(تاریخ لجنہ، جلد اول صفحہ ۴۵۱)

تاریخ لجنہ جلد دوم صفحہ ۵۰۹ پر آپ کی مالی قربانیوں کا اس طرح ذکر ہے:

''سلسلے کے لئے ہر قربانی میں آپ کا نام صف اول میں ہوتا تھا ۱۹۲۲ء میں حضور نے جب مسجد برلن کی تحریک کی تو آپ نے دو سو روپے

چندہ دیا۔ (جو اس وقت ایک بڑی رقم تصور کی جاتی تھی)

تحریک جدید میں آپ شامل تھیں اور پہلے انیس (۱۹) سالہ دور میں آپ کا چندہ ۲۷۳۲ روپے تھا۔

حضور نے ۱۹۵۲ء میں عورتوں کو اپنے ہاتھ سے کام کر کے زائد آمدنی پیدا کر کے چندہ دینے کی تحریک کی تو آپ نے اپنے ہاتھ سے ایک دوائی بنا کر فروخت کی اور اس کی آمدن کو اشاعت اسلام کے لئے دیا۔“

ایک درخشندہ قربانی

انہی تابندہ و درخشندہ واقعات میں ایک اہم واقعہ انتہائی نامساعد حالات میں ”اخبار الفضل“ کے اجراء کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اس وقت سلسلہ کی غمخواری اور اس کی زندگی و ترقی کے لئے جس درد اور جاں نثاری کا آپ نے ثبوت دیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

۱۹۱۳ء کی بات ہے جبکہ ایک طرف سلسلہ عالیہ احمدیہ کی بیرونی مخالفت روز بروز بڑھتی جا رہی تھی اور دوسری طرف جماعت میں اندر ہی اندر ایسا عنصر پیدا ہو رہا تھا جو حضرت مسیح موعود کی حقیقی تعلیم سے جماعت کو دُور لے جانے کی کوشش میں تھا اُس نازک وقت میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ایک اخبار جاری کرنے کا ارادہ فرمایا کیونکہ اس وقت سلسلہ کو ایک اخبار کی ضرورت تھی جو احمدیوں کے دلوں کو گرمائے ان کی سُستی کو جھاڑے، ان کی محبت کو ابھارے اور ان کی ہمتوں کو بلند کرے۔ کیونکہ بعض لوگوں کو سخت ابتلا پیش آ رہا تھا اور وہ کہتے تھے کہ جماعت کی نمائندگی صدر انجمن کرتی ہے خلافت کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ایسے خیالات کی تردید کے لئے ۱۹۱۳ء میں اخبار نکالنا چاہا مگر روپے کی بڑی ضرورت تھی

فوری کوئی انتظام نہیں ہو رہا تھا جب حضرت سیدہ ام ناصر کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے اپنا زیور حضور کو دے دیا کہ اگر اس حقیر زیور کے بدلہ اسلام کی کوئی خدمت ہوسکتی ہے تو یہ زیور حاضر ہے۔ اس کو بیچ کر حضور نے الفضل کا اجراء فرمایا جو اب تک خدا کے فضل سے جاری ہے کون ہے وہ عورت جس کا دل نہیں چاہتا کہ وہ زیور نہ پہنے مگر آپ نے اپنی ذاتی خواہشات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنی پونجی اسلام کے لئے وقف کر دی۔

حضرت مصلح موعود ۱۹۲۴ء میں الفضل میں مضمون میں حضرت ام ناصر کی اس قربانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''خدا تعالیٰ نے میری بیوی کے دل میں اس طرح تحریک کی جس طرح خدیجہ کے دل میں حضرت رسولِ کریم ﷺ کی مدد کی تحریک کی تھی انہوں نے اس امر کو جانتے ہوئے کہ اخبار میں پیسہ لگانا ایسا ہی ہے جیسے کنویں میں پھینک دینا اورخصوصاً اس اخبار میں جس کا جاری کرنے والا محمود ہو جو اس زمانے میں شاید سب سے بڑا مذموم تھا۔ اپنے دو زیور مجھے دے دیئے کہ میں ان کو فروخت کر کے اخبار جاری کر دوں ان میں سے ایک تو ان کے اپنے کڑے تھے اور دوسرے ان کے بچپن کے کڑے تھے جو انہوں نے اپنی اور میری لڑکی عزیزہ ناصرہ بیگم کے استعمال کے لئے رکھے ہوئے تھے۔ میں زیورات کو لے کر اسی وقت لاہور گیا اور پونے پانچ سو کے وہ دونوں کڑے فروخت ہوئے، یہ ابتدائی سرمایہ الفضل کا تھا۔ الفضل اپنے ساتھ میری بے بسی کی حالت اور میری بیوی کی قربانی کو تازہ رکھے گا اور میرے لئے تو اس کا ہر ایک پرچہ گونا گوں کیفیات کا پیدا کرنے والا ہوتا ہے۔ بارہا وہ مجھے جماعت کی وہ حالت یاد دلاتا ہے۔ جس کے لئے اخبار کی ضرورت تھی بارہا

مجھے اپنی بیوی کی وہ قربانی یاد دلاتا ہے جس کا مستحق نہ میں اپنے پہلے سلوک سے تھا نہ بعد کے سلوک نے مجھے اس کا مستحق ثابت کیا۔ وہ بیوی جن کو میں نے سونے کی انگوٹھی بھی شاید بنا کر نہ دی تھی اور جن کو بعد میں اس وقت تک میں نے صرف ایک انگوٹھی بنوا کر دی ہے۔ ان کی یہ قربانی میرے دل پر نقش ہے اگر ان کی اور قربانیاں اور ہمدردیاں اور اپنی سختیاں اور تیزیاں میں نظر انداز بھی کر دوں تو ان کا یہ سلوک مجھے شرمندہ کرنے کے لئے کافی ہے اس حسنِ سلوک نے نہ صرف مجھے ہاتھ دیئے جن سے میں دین کی خدمت کرنے کے قابل ہوا اور میرے لئے زندگی کا ایک نیا ورق الٹ دیا بلکہ ساری جماعت کی زندگی کے لئے ایک بہت بڑا سبب پیدا کر دیا گیا ہی یہ سچی بات ہے کہ عورت ایک خاموش کارکن ہوتی ہے۔ اس کی مثال اس گلاب کے پھول کی سی ہے جس سے عطر تیار کیا جاتا ہے۔ لوگ اس دوکان کو تو یاد رکھتے ہیں جہاں سے عطر خریدتے ہیں مگر اس گلاب کا کسی کو خیال نہیں آتا جس نے مرکر ان کی خوشی کا سامان پیدا کیا۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ سامان پیدا نہ کرتا تو میں کیا کرتا اور میرے لئے خدمت کا کون سا دروازہ کھولا جاتا اور جماعت میں روز مرہ بڑھنے والا فتنہ کس طرح دور کیا جا سکتا۔‘‘

(الفضل ۴ جولائی ۱۹۲۴ء)

صاحبزادہ مرزا رفیق احمد صاحب تحریر کرتے ہیں:

’’۱۹۴۷ء میں جب فسادات ہوئے اور ہمیں قادیان سے ہجرت کرنی پڑی اس وقت تحریک جدید اور انجمن کی آمد پر بڑا بھاری بوجھ پڑا کیونکہ تقسیم ہند کی وجہ سے لوگ اپنی جائیدادیں وغیرہ بھارت میں چھوڑ آئے تھے اس پر حضرت صاحب نے ایک خطبہ میں چندہ کی تحریک فرمائی۔ یہ واقعہ غالباً ۱۹۴۹ء

کے آخر کا ہے۔ مجھے باوجود بچپن کے اچھی طرح یاد ہے میں نے کچھ پیسے مانگے کہ مجھے دیں تو کہنے لگیں کہ دیکھو تمہارے ابا جو مجھے جیب خرچ دیتے ہیں میں نے عہد کیا ہے کہ وہ سارے کا سارا سلسلہ کو دوں گی۔ اپنی ذات پر نہیں خرچ کروں گی۔ اس طرح وہ تو میں جماعت کو دے دیتی ہوں۔ اس کے علاوہ خدا چونکہ رازق ہے مجھے ذاتی خرچ کے لئے کچھ نہ کچھ دے ہی دیتا ہے۔ اس میں سے بھی اپنے سے زیادہ تمہارے پر خرچ کرتی ہوں۔ میرے پاس اتنے روپے کہاں سے آئے۔ آپ نے اس عہد کو اپنی زندگی کے آخر لمحات تک بخوبی نبھایا۔

میں گزشتہ ماہ آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ کسی چندے وغیرہ کا ذکر ہوا تو آپ فرمانے لگیں میں نے اس ماہ اپنے سارے چندے جو میرے ذمہ تھے ادا کر دیئے ہیں اور اب مجھے اطمینان ہوا ہے میں نے پوچھا کیا آپ تحریک جدید کے چندے کا ذکر فرماتی ہیں تو کہنے لگیں نہیں وہ تو پہلے ہی ادا کر چکی ہوں۔ دوسرے چندے مثلاً چندہ عام وغیرہ۔

(کتاب ''میری امی جان'' صاحبزادہ مرزا رفیق احمد صاحب صفحہ ۳۴۔۳۵)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے جماعت کو تحریک کی کہ ''ہر شخص خواہ اس کا ذریعہ معاش کوئی بھی ہو اپنے روزمرّہ کے کام کے علاوہ کوئی ایسا چھوٹا سا کام محض اس نیت سے کرے کہ اس کی ساری آمدن تبلیغِ اسلام کے لئے پیش کر دے۔ آپ کی اس تحریک پر بھی جماعت کے مردوں اورعورتوں نے برابر جوش کے ساتھ حصہ لیا۔عورتوں نے جس اخلاص اور دلی جذبہ کے ساتھ اس تحریک پر لبیک کہا اس کا اظہار حسبِ ذیل روایت سے ہوتا ہے۔ ایک خاتون جن کا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے حرمِ اول حضرت سیدہ امِ ناصر کے

ہاں آنا جانا تھا اس بارے میں روایت کرتی ہیں:

''جب حضور نے تحریک شروع کی کہ اپنے ہاتھ سے کام کر کے چندہ دیا جائے تو میں حضور کے گھر ام ناصر کے پاس بیٹھی تھی۔ حضور نے کہا ''میں سرمہ پیس کر فروخت کر کے چندہ دوں گا اپنے ہاتھ سے کام کر کے۔'' میں نے کہا حضور میں بھی سرمہ پسوا دوں گی ساتھ شامل ہو جاؤں گی۔ فرمایا نہیں نہیں یہ بات نہیں۔ میں خود اپنے ہاتھ سے پیسوں گا۔ اورتم خود کچھ کام کرو۔'' دو تین دن کے بعد ام ناصر کے گھر پھر گئی اور ام ناصر سے کہا ''کیا کروں؟ کام مجھے کوئی آتا نہیں۔ چندہ ضرور دینا ہے۔'' ام ناصر نے کہا ''مجھے بھی یہ بڑی سوچ ہے کیا کام کیا جائے۔ میاں رفیق وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ بولے ''امی جان میرے بوٹوں کو پالش نہیں کروائی۔'' ام ناصر ہنس پڑیں اور کہنے لگیں ''میں تیرے بوٹوں کو پالش کروں گی تم مجھے ایک آنہ دیا کرو۔ میں وہ چندہ میں دے دوں گی۔'' میں نے کہا ''میں تو ایک مہینہ کسی کے گھر کام کروں گی۔'' ام ناصر نے فرمایا ''اورکسی کے پاس کیوں جاتی ہو؟ میرے پاس آؤ۔ دونوں بہنیں بیٹھا کریں گی حضور کے کپڑوں کی مرمت تم کر دیا کرنا۔ پھر ہنسنے لگیں اور کہا ''مہینہ کیا لو گی۔'' میں نے کہا ''ابھی تو کچھ نہیں کہہ سکتی۔ دیکھو خدا جو سامان بنائے۔ خدا کی حکمت سیرت النبیؐ کا جلسہ آ گیا۔عورتیں دکانیں لگایا کرتی تھیں۔ میں نے کہا میں تو پان بیچوں گی۔'' ام ناصر نے کہا ''ہم دونوں بہنوں کا حصہ ہو گا۔ میں پان منگوا دوں گی۔'' پان اور کتھا تو ام ناصر نے دیا اور دوسری چیزیں چھالیہ الائچی وغیرہ میں نے اپنی ڈالیں۔۔۔۔ ہماری نیت چندہ دینے کی تھی۔ خدا کے فضل سے میرے پان خوب بکے۔ پچاس پان کیا چیز تھی۔ پان ہاتھوں ہاتھ بک گئے ام ناصر بھی میرے پاس

آئیں اور کہا ''میں کیا کام کر سکتی ہوں۔ میں نے کہا آپ جائیں میں خود یہ کام کر لوں گی۔ جب گھر میں آ کر ڈبہ میں ڈالی ہوئی نقدی کا حساب کیا تو اس میں سے چوبیس (۲۴) روپے نکلے۔ بارہ روپے ام ناصر کے اور بارہ روپے میرے حصے میں آئے۔۔۔۔''

(سوانح فضل عمر، جلد دوم صفحہ ۳۵۲ تا ۳۵۳)

اس روایت سے تحریک پر خود حضور کا عمل اور ام ناصر صاحبہ اور لجنہ کی ممبرات کے عمل کرنے کی بیقراری کا پتہ چلتا ہے۔

بہت محبت اور خدمت کرنے والی بیوی

حضرت سیدہ ام ناصر صاحب ایک نہایت درجہ وفا شعار محبت اور خدمت کرنے والی بیوی تھیں حضور کی ہر چھوٹی بڑی ضرورت کا خیال رکھتیں اپنے یہاں باری کے روز حضور کے لئے خود صفائی ستھرائی اور سلیقے سے گھر تیار کرتیں اور مزیدار کھانا، حضور کا پسندیدہ کھانا، جو سادہ ہوتا تھا بناتی تھیں اس سلسلے میں کچھ روایات درج کی جاتی ہیں۔ صاحبزادی آپا ناصرہ بیگم صاحبہ تحریر کرتی ہیں:

''حضرت ابا جان کی باری والے دن ان کا کھانا بڑے اہتمام سے بناتیں اپنے ہاتھ سے گوشت کی ایک ایک بوٹی دھوتیں سبزی بھی خود بناتیں اور خود ہی دھوتیں اپنے سامنے انگیٹھی رکھوا کر خود تیار بھی کرتیں۔ جب آپ کی صحت ٹھیک تھی اس وقت تو باورچی خانے میں ہی جا کر تیار کرتیں۔ حضرت ابا جان کو بھی امی جان کا کھانا بہت پسند تھا۔'' (ذاتی تحریر)

صاحبزادی آپا امۃ النصیر صاحبہ تحریر کرتی ہیں:

''چوتھے دن جب ابا جان کی باری ہوتی تو امی جان کھانے کا بہت خیال رکھتی تھیں کہ کھانا اچھا بنے۔ اکثر خود ہی انگیٹھی رکھ کر کھانا تیار کرتیں۔ کھانا سادہ اور صرف ایک ہی سالن ہوتا تھا۔ مگر یہ خیال رکھتیں کہ جو چیز حضرت مصلح موعود کو پسند ہو وہ پکے۔ شام کو چائے پر منقیٰ اور بادام اپنے ہاتھ سے بنا کر چائے کے ساتھ رکھتیں اور ہم سب بچوں کو یہ کہتیں کہ تمہارے ابا

جان دماغی کام بہت کرتے ہیں اور ہمیں کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ ابا جان کے کھانے کی خواہش کریں کہ جو وہ کھاتے ہیں ہم بھی وہی کھائیں۔''

مکرمہ آپا ناصرہ بیگم صاحبہ تحریر کرتی ہیں:

''حضرت ابا جان نے جب جماعتی ضرورت کی وجہ سے آپا جان امۃالحئی صاحبہ سے شادی کرنے کا ارادہ کیا تو امی جان سے ذکر کیا۔ غالبًا اس وقت بیمار تھیں۔ امی جان کہنے لگیں ''اگر آپ کو ضرورت ہے تو بے شک شادی کر لیں۔ مگر آپ کے کپڑوں وغیرہ کا انتظام سب میرے پاس رہے گا۔'' ابا جان نے فرمایا ''یہی ہو گا۔'' سو امی جان کی وفات تک ابا جان کے کپڑے وغیرہ اور برتن جو مہمانوں کے لئے آپ نے جمع کئے ہوں گے امی جان کے پاس ہی رہے۔ امی جان کی وفات کے بعد میں نے کپڑے چھوٹی آپا صاحبہ کو اور برتن مہر آپا صاحبہ کو بھجوا دیئے۔ چنانچہ ابا جان کے کپڑوں کی امی جان انچارج ہوتی تھیں۔ حضرت ابا جان کو کپڑے پہننے کے لئے جب بھجواتیں مجھے یاد ہے لٹھے کی شلواروں کے نیفے مایا کی وجہ سے اکڑ جاتے اُن کے تمام بل اپنے ہاتھوں سے مل کر نرم کرتیں تاکہ حضرت ابا جان کو تکلیف نہ ہو۔ پگڑیاں گھر میں ہی دھلوا کر مایا دلوا کر اپنے سامنے بیٹھ کر ٹھیک کرواتیں تاکہ حضرت ابا جان کی پگڑیاں بالکل درست ہوں۔'' (ذاتی تحریر)

مکرمہ امۃ القیوم صاحبہ اہلیہ مکرم مولوی صدیق صاحب امرتسری جن کو حضرت ام ناصر صاحبہ کی خدمت کا اور پاس رہنے کا بہت موقع ملا تحریر کرتی ہیں:

''ایک بار کسی بہن نے اخلاص سے آپ کو مجبور کر کے حضور کی پگڑیاں دھو دیں اور خشک کر دیں۔ دوسرے دِن خاکسار آپ کی خدمت میں

حاضر ہوئی تو آپ دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ فرمایا میں تمہارا انتظار کر رہی تھی انہوں نے حضور کی پگڑیاں ٹیڑھی کر دیں اور ساتھ ساتھ ان کے اخلاص کی تعریف بھی کی اور پھر چارپائی پر بیٹھے بیٹھے میرے ساتھ ان پگڑیوں کو کھینچ کھینچ کر درست کیا اور فرمایا کہ انہوں نے تو اخلاص سے کیا تھا اور میرے بازو تھکا دیئے ہیں اور پھر ہر پگڑی کے کنارے پوری طرح اپنے سامنے استری کروائے۔

(کتاب میری امی جان صفحہ ۵۵)

صاحبزادی امۃ النصیر صاحبہ تحریر کرتی ہیں:

''ابا جان کے کپڑوں کی انچارج امی جان تھیں درزی کو سلنے کے لئے قمیض اور شلوار کی لمبائی چوڑائی کاٹ کر خود ہی دیتی تھیں اس وقت بجلی کی استری نہیں تھی۔ کپڑے کی ''کان'' مجھ سے پکڑواتی تھیں پھر ہاتھ سے اس کو سیدھا کرتی تھیں۔ بہت خیال رکھتیں کہ ابا جان کو شلوار اور قمیض کی لمبائی، چوڑائی زیادہ یا کم ہونے کی وجہ سے تکلیف نہ ہو۔ ہر جمعہ اور ہر سوموار ابا جان کو کپڑے بدلنے کو بھیجتیں۔ کبھی ابا جان کو یہ کہنا نہیں پڑا کہ کپڑے نہیں آئے خود خیال سے شلوار میں ازار بند ڈال کر ان کے بل ٹھیک کرتیں اور فرماتیں کہ تمہارے ابا جان کو تکلیف نہ ہو۔ کپڑوں کی مائع نرم کرتیں اور سوموار والے دن مجھے کپڑے دیتیں کہ لو اپنے ابا جان کو یہ کپڑے دفتر میں دے آؤ۔ جب میلے کپڑے دھوبی کو دینے لگتیں تو کوٹ کی جیبیں اچھی طرح دیکھ لیتیں کہ کہیں کوئی کاغذ نہ چلا جائے۔ ہمیں امی جان بتاتی تھیں کہ جب تمہارے ابا جان کی جرابیں پھٹ جاتیں تو میں انہیں رفو کر کے بھجواتی تھی بہت سادہ اور قناعت پسند تھیں۔ (ذاتی تحریر)

حضرت صاحبزادی آپا ناصرہ بیگم صاحبہ تحریر فرماتی ہیں:

''حضرت امی جان بہت شاکرہ صابرہ اور سلیم الطبع تھیں۔ تہجد گزار اور بہت دعائیں کرنے والی تھیں۔ صبر و تحمل کا پہاڑ تھیں جن رشتوں سے اُن کا واسطہ پڑا تھا اس کے لئے ہر عورت کا برداشت کرنا بہت مشکل ہوتا ہے مگر میں دیکھتی کہ بڑے حوصلے سے برداشت کر جاتیں۔ ایک دفعہ کا واقعہ مجھے یاد ہے کہ حضرت ابا جان کی کسی دوسری بیوی نے ابا جان کے پاس کسی معاملہ میں امی کی شکایت کی ابا جان نے امی جان سے ذکر کیا چونکہ میرے سامنے بات ہوئی تھی میں نے امی جان سے کہا ابا جان کو بتلایا کیوں نہیں کہ ایسا نہیں ہوا مجھے جواب دیا ''فائدہ کیا؟ خدا تعالیٰ تو بہتر جانتا ہے کہ میں نے ایسا نہیں کیا۔''

جب ابا جان دوسری شادی کرنے لگتے تو پہلے جو بیویاں تھیں امی جان کے پاس اپنی تکلیف کا اظہار کرتیں۔ امی جان کہتیں مجھے دیکھو میں پہلی بیوی ہوں۔ آپ سب میرے اوپر آئی ہیں میں نے سب حوصلے سے برداشت کیا ہے۔ اُن کی شادی میں مصلحتیں اور حکمتیں ہیں جو ہم نہیں سمجھ سکتے۔

مجھے آپا جان امۃ الحئی صاحبہ کی وفات یاد ہے۔ اُن کی آخری بیماری میں امی جان نے اُن کی بہت تیمارداری کی۔ آخری تین چار دن اور رات کا اکثر حصہ اُن کے پاس ہی گزارا۔ جس رات وہ فوت ہوئی ہیں امی جان نے ساری رات اُن کے پاس گزاری۔ (ذاتی تحریر)

صاحبزادہ مرزا رفیق احمد صاحب تحریر کرتے ہیں:

حضرت ابا جان پر ۱۹۵۴ء میں جو حملہ ہوا اور جس کے علاج کے لئے حضور یورپ گئے مجھے یاد ہے آپ انتہائی سوز و گداز اور بے حد تڑپ سے ساری ساری رات حضور کے لئے دعائیں کرتیں، کبھی میری آنکھ کھلتی تو آپ

کو سجدہ ریز سسکتے اور بلبلاتے دیکھتا۔ چونکہ صبر و ضبط طبیعت ثانیہ بن چکے تھے اس لئے اس کا اظہار کسی رنگ میں بھی نہ ہونے دیا مگر یہ صدمہ اندر ہی اندر جڑیں پکڑتا چلا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چہرے کی تازگی روز بروز ختم ہوتی چلی گئی اور چند ہی دنوں میں کئی سالوں کی بیمار نظر آنے لگیں حضور آپ کو بھی اپنے ہمراہ یورپ علاج کے لئے لے گئے اور زیورک کے ڈاکٹروں کو دکھایا انہوں نے آپ کو دیکھ کر کہا کہ آپ کا تو سارا نظامِ جسمانی مکمل طور پر بگڑ چکا ہے ہم کس کس کا علاج کریں۔

گزشتہ سال کی بات ہے کہ حضور کے ساتھ آپ مری تشریف لے گئیں اور میں کالج کی وجہ سے ربوہ ہی میں رہا۔ مجھے آپ کی صحت کی بڑی تشویش رہتی تھی جس سے بے حد گھبراہٹ اور بے چینی تھی (یا شاید آگے آنے والے سانحہ کا قبل سے طبیعت پر اثر تھا) میں بار بار آپ کو لکھتا کہ میں یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا، اور کالج بند ہونے سے قبل ہی مری آ جاؤں گا۔ مگر حضرت صاحب نے فرمایا کہ جب تک کالج بند نہیں ہوتے تم نے نہیں آنا۔ اس پر اُن کا خط جو میرے نام آیا اس کی چند سطور لکھے دیتا ہوں جس سے آپ کی محبت و تعلق کا حضور کے ساتھ اظہار ہوتا ہے۔

''تم آرام اور تسلی سے کالج بند ہونے کا انتظار کرو۔ کالج بند ہونے کے بعد آنا اور خلیفہ کا حکم ماننا ضروری ہے اور پھر باپ کا حکم بھی۔ اگر انسان خلیفہ کا حکم ماننے میں خوشی محسوس کرے اور سمجھے کہ ہمارے فائدے کے لئے ہے تو کبھی گھبراہٹ ہو ہی نہیں سکتی۔ اُمید ہے تم خوشی اور تسلی سے رہو گے۔۔۔ اگر تم کو یہ معلوم ہو کہ میں تمہارے لئے کتنی دعائیں کرتی ہوں تو پھر تم کبھی نہ گھبراؤ۔ اُمید ہے تم میری نصیحت پر عمل کرو گے اور خوشی سے

رہنے کی کوشش کرو گے۔‘‘

بہرحال باوجود اس کے کہ آپ کو مجھ سے بے انتہا پیار تھا پھر حضرت صاحب نے ایک دفعہ منع کر دیا۔ میں نے ہزار جتن کئے مگر آپ نہ مانیں کہ تمہارے باپ نے کہا ہے اس لئے تم نہیں آ سکتے۔

حضرت صاحب کا کھانا خود تیار کرتیں اور ہمیشہ حضرت صاحب کی پسند کا خاص خیال رکھتیں چونکہ خود بے حد صفائی پسند تھیں اس لئے ہر وقت یہ خیال رہتا کہ حضور کی ہر چیز صاف ستھری رہے۔ حضور جب کبھی پرانے وقت کا ذکر کرتے اور دلچسپ باتیں ہوتیں تو چہرہ پھول کی طرح کھِل جاتا۔ یوں محسوس ہوتا جیسے دونوں جہان کی دولت مل گئی ہو۔

بہرحال آپ کو حضور سے جو تعلق اور اُنس تھا اُس کو الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں آپ نے اپنے شوہر سے بے لوث اور بے داغ محبت کی جہاں وہ بہترین ماں تھیں وہاں انتہائی ایثار و خلوص سے ساری زندگی شوہر کی خدمت میں گزار دی۔‘‘

(کتاب ’’میری امی جان‘‘ صفحہ ٦٦ تا ٦٨)

افرادِ جماعت سے شفقت اور محبت

بہت ہی ملنسار خاتون تھیں۔ ہر امیر، غریب، چھوٹے بڑے سے نہایت کھلے دل سے ملتیں۔کسی کو بھی آپ سے سرد مہری یا بے پروائی کی شکایت نہ تھی۔ آپ کا دروازہ ہر ایک کے لئے کھلا تھا۔ ہر ایک کے دکھ سنتیں اور مدد کرتیں اور نہایت محبت سے مشورے دیتیں۔ جلسہ سالانہ کے ایّام میں آپ باہر برآمدے میں تشریف رکھتیں تاکہ آنے جانے والوں کو ملنے میں دِقت نہ ہو۔ ہر ملنے والی کو چائے پلاتیں۔

اہلیہ صاحبہ مکرم ماسٹر فقیر اللہ صاحب تحریر کرتی ہیں:

''آپ کے میرے خاندان سے بہت پرانے حضرت مسیح موعود کے زمانہ کے تعلقات تھے۔ میرے بچوں کو اپنے بچوں کی طرح سمجھتیں۔ ربوہ سے جب میں ان کو ملنے کے لئے جاتی تو اپنی کار منگوا کر اس میں واپس بھجواتیں اور ساتھ کچھ نہ کچھ تحفہ ضرور دیتیں کبھی کبھی ہمارے ہاں تشریف لاتیں تو کافی دیر ٹھہرتیں اور بہت پیار کی باتیں کرتی رہتیں۔

میری چھوٹی لڑکی طاہرہ اختر کی شادی پر ہمارے ہاں مسلم ٹاؤن تشریف لائیں رخصتانہ کے وقت لڑکی کے ماں باپ کو طبعاً کچھ نہ کچھ صدمہ ہوتا ہے میرے میاں کو مغموم دیکھا تو فرمانے لگیں ماسٹر صاحب آپ کچھ فکر نہ کریں میں خود لڑکی کے ساتھ اس کے سُسرال تک جاؤں گی اور اطمینان سے اسے اُس کے سُسرال پہنچا کر واپس گھر جاؤں گی اُن دنوں لڑکی کے سُسرال

میکلوڈ روڈ پر رہتے تھے اور حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہٖ العزیز رتن باغ میں رونق افروز تھے ابھی ربوہ تشریف نہ لائے تھے چنانچہ کار میں اسے اپنے ساتھ بٹھا کر لائیں اور سسرال پہنچا کر آپ گھر تشریف لے گئیں یہ واقعہ مجھے کبھی نہ بھولے گا۔''

(کتاب ''میری امی جان'' صفحہ ۵۲۔۵۳)

اہلیہ صاحبہ شیخ محمد دین صاحب تحریر کرتی ہیں:

''جب میں پہلے پہل قادیان آئی تو میری کوئی واقفیت نہ تھی جب میں دارالخلافت میں گئی تو آپ سے اور دیگر خاندان حضرت مسیح موعود کی خواتین مبارکہ سے ملاقات ہوئی بس اسی روز سے میری محبت حضرت امِ ناصر صاحبہ سے شروع ہوگئی میرا چھوٹا بچہ تھوڑی ہی دیر ہوئی فوت ہوا تھا جس کے باعث اکثر میں اداس اور ملول رہا کرتی تھی میرے بڑے بچے سکول جاتے اور میں آپ کے پاس آ جاتی میرے ساتھ آپ نہایت ہی محبت اور پیار سے پیش آتیں اور مجھے تسلیاں دیا کرتیں جس سے میرا دل دوسری طرف لگا رہتا اگر کبھی دو چار دن آپ کے پاس نہ آتی تو ضرور کہلوا بھیجتی تھیں کہ کیوں نہیں آئی؟

ایک روز آپ نے فرمایا میرے ساتھ سیر کو جایا کرو میں نے عرض کیا کہ اس سے بڑھ کر اور کیا میری خوش قسمتی ہوسکتی ہے۔ راستہ میں وہ مجھے نصائح اور مشورے دیتیں۔ میں نے اپنے بڑے لڑکے شیخ مبارک احمد کو وقف کیا تو بہت ہی خوش ہوئیں اور فرمایا تمہیں احمدی ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے تم نے بہت بڑی قربانی کی ہے اس کا اجر اور ثواب تمہیں بہت حاصل ہوگا۔ جب ہم اپنے لڑکے مبارک احمد کی شادی کے لئے کمالیہ گئے تو واپسی پر آپ نے ہم سب کے کھانے کا انتظام نہایت ہی اعلیٰ پیمانے پر کیا ہوا تھا۔

آپ نے ہر طرح مدد فرمائی میری بہنوں کو اپنی بہنوں کی طرح اپنی کار میں بٹھا کر لائیں انہیں دیکھ کر بہت مسرور ہوئیں جب کبھی شیخ صاحب قادیان سے باہر جاتے تو اُن دنوں آپ خصوصیت سے ہمارا خیال رکھا کرتی تھیں کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔ ہر عید پر میرے اور میرے بچوں کے لئے عیدی بھجوایا کرتی تھیں جب بھی میں آپ کے پاس جاتی اگر کھانے کا وقت آ جاتا تو اپنے ساتھ ضرور کھانا کھلاتیں اور اگر چائے کا وقت ہوتا تو اپنے ہاتھ سے نہایت ہی شفقت سے چائے پلا کر رخصت کرتی تھیں۔ جب میرے بیٹے، بہوئیں اور بیٹیاں میرے پاس آتے سب کا حال تفصیل سے دریافت فرماتیں اور سب کے لئے دعا کیا کرتی تھیں۔ جب بھی میرا دل اُداس ہوتا اور پریشان ہوتی تو آپ کے پاس چلی جاتی آپ میری ہر طرح سے دل جوئی فرماتیں اور ہمت بندھاتیں۔ میرے بچوں کی شادیوں میں بڑی محبت سے تشریف لاتیں۔ جہیز اور دیگر اشیاء کو بڑے اشتیاق سے دیکھتیں اور خوشی کا اظہار فرماتیں اِس کے علاوہ قیمتی اور مفید مشوروں سے بھی مستفید فرمایا کرتی تھیں جب بھی میرے لڑکے باہر کے ممالک سے آتے تو مجھے نہایت محبت کے ساتھ اپنی طرف سے مبارکباد کا تحفہ بھیجتیں۔''

(کتاب ''میری امی جان'' صاحبزادہ مرزا رفیق احمد صاحب، صفحہ ۵۲۔۵۵)

مکرم شیخ محمد حنیف صاحب ابن شیخ کریم بخش صاحب کوئٹہ سے تحریر فرماتے ہیں کوئٹہ کی جماعت کے جس دوست سے بھی غم غلط کرنے کے لئے حضرت امی جان کا ذکر میں نے کیا ہر ایک کو سوگوار پایا اُن کی وفات کے بعد اُن کی شخصیت کے وسیع دائرے کا عِلم ہوا بعض اوقات سُن کر حیرت ہوئی اور آنکھیں پُرنم ہو گئیں۔ ہمارے سابق امیر جماعت میاں بشیر احمد صاحب نے

فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت امی جان کی خدمت میں ایک کام کے لئے دعا کی درخواست کی۔ پورے تین سال گزر گئے کہ حضرت امی جان نے لکھوایا کہ آپ نے فلاں امر کے لئے دُعا کرنے کو لکھوایا تھا میں اُسی وقت سے دُعا کر رہی ہوں مگر آپ نے پھر کچھ لکھا ہی نہیں (اللہ اللہ) کتنی شفقت ہے کتنی مہربانی حقیقی والدہ بھی شاید ایسا نہ کر سکے۔ مشاورت کے موقع پر جب بھی بلاتیں دروازہ کے پیچھے کھڑے ہو کر کس شفقت سے فرمایا کرتی تھیں کہ میں آپ کے اعلانات برائے دُعا پڑھتی رہتی ہوں اور برابر دُعائیں کرتی رہتی ہوں لیکن بیماری کے باعث خط نہ لکھ سکی۔ میری بڑی بھابی جو آج کل کوئٹہ میں ہیں نے نمناک آنکھوں کے ساتھ فرمایا کہ میں جب بھی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوتی تو اُٹھ کر چھاتی سے لگاتیں اور اپنے ساتھ چارپائی پر برابر بیٹھنے کا ارشاد فرماتیں۔

(کتاب ''میری امی جان'' صفحہ ۵۶۔۵۷)

محترمہ زوجہ صاحبہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور (پرائیویٹ سیکرٹری حضرت خلیفہ الثانی) تحریر فرماتی ہیں:

''اگرچہ ۱۹۲۵ء سے ہی قادیان آنے کا موقع ملتا رہا اور سلسلے کے کاموں کو حسبِ استطاعت کرتی رہی اور محترمہ امی جان سے تعارف بھی تھا لیکن بے تکلفی کی کیفیت نہ تھی ربوہ آ کر زیادہ قریب رہنے کا موقع ملا اور بے تکلفی بھی اُنہوں نے پیدا کر دی اور جس کی ابتداء یوں ہوئی کہ جب میں ایک دفعہ ان کے ہاں گئی تو اُنہوں نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ میرے کتنے بہن بھائی ہیں اور والدین کہاں ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ نہ میرا کوئی بھائی ہے اور نہ ہی کوئی میری بہن ہے والدین بھی عرصہ ہوا فوت ہو چکے ہیں اُن

کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا آئندہ کے لیے مجھے اپنی بہن سمجھنا اور جس چیز یا کسی کام کی ضرورت ہو مجھے بے تکلف کہنا۔ میں نے اپنے لڑکے لطف الرحمٰن کے رشتے کے متعلق اس کا رشتہ اپنی برادری میں کرنے کے متعلق ذکر کیا تو فرمایا اپنے خاندان کے اندر رشتے کرنے اچھے ہوتے ہیں اور کئی آسانیاں بھی ہوتی ہیں لیکن میرا مشورہ یہ ہے کہ کچھ بچوں کے رشتے اپنے خاندان سے باہر بھی کرنے چاہیں اس میں بھی کئی فائدے ہیں بعض بیماریاں اور عادتیں خاندان میں ہی رشتہ کرنے کی وجہ سے چلتی چلی جاتی ہیں لیکن باہر رشتہ کرنے کی وجہ سے دوسرے لوگوں کے تعلقات کی وجہ سے بھی وہ دُور ہو جاتی ہیں اور تعلقات بھی وسیع ہو جاتے ہیں اور بعض حالات میں مالی لحاظ سے بھی زیادہ مفید ہوتا ہے۔ جب میری لڑکی حلیمہ کی شادی ہوئی تو ان دنوں سیدہ ام ناصر کی طبیعت ٹھیک نہ تھی لیکن میری درخواست پر آپ ہمارے غریب خانہ پر تشریف لائیں اور اس تقریب کو صحیح معنوں میں تقریب شادی بنا دیا۔ عزیزم لطف الرحمٰن کی شادی سے ایک ہفتہ قبل سیدہ محترمہ نے اپنی خادمہ کے ذریعہ طشتری میں کچھ کھانڈ، کچھ روپے اور بعض اور چیزیں میرے ہاں تحفے میں بھجوائیں میں ان کی یہ ذرّہ نوازی کبھی نہیں بھول سکتی اس بابرکت تحفہ کے ساتھ یہ پیغام بھی بھجوایا ’’مجھے افسوس ہے کہ میں چیزیں دیر سے بھیج رہی ہوں مجھے اس سے پہلے بھیجنی چاہئیں تھیں‘‘ اس پر جب میں نے آپ سے کہا امی جان سب سے پہلے آپ کی ہی طرف سے تحفہ آیا ہے تو بہت خوش ہوئیں اور اگلے دن ہمارے غریب خانے پر تشریف لائیں، کپڑوں اور سامان کو سامنے رکھ کر دیکھا اور مشورہ بھی دیا کہ اِن اِن چیزوں کا مزید انتظام کرو ایک دفعہ جب میں آپ کے پاس گئی تو مجھ سے کہا کہ میں تو اپنے کاموں کے لئے

انور صاحب کو ہی کہتی ہوں لیکن وہ اِن کاموں سے گھبرا تو نہیں جاتے میں نے کہا کہ امی جان یہ تو اِن کے لئے خوشی کا موجب ہوتا ہے۔ انہوں نے کئی مرتبہ آپ کے کاموں کی انجام دہی کی سعادت حاصل ہونے پر خوشی کا اظہار بھی کیا ہے اس پر فرمایا کہ جب تک میں زندہ ہوں میں تو اُن کو ہی کاموں کے لئے لکھوں اور کہوں گی ایک دفعہ مجھے کچھ چینی نہایت ہی اعلیٰ قسم کی غالباً کیوبا کی ملی۔ میرے دل میں خیال آیا کہ چینی اچھی ہے کیوں نہ امی جان کو دوں۔ وہ لے کر میں گئی اور عرض کیا اگرچہ آپ کو چینی کی ضرورت نہ ہو گی لیکن پھر بھی آپ کے لئے لے آئی ہوں۔ یہ سنتے ہی محبت سے فرمایا کہ چینی تم نہیں لائیں بلکہ میرا خدا لایا ہے ابھی ابھی میں اپنے خدا سے دعا کر رہی تھی کہ کچھ چینی کا بندوبست ہو جائے سو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اُس نے انتظام کر دیا۔ ایک دفعہ جب کہ امی جان نے اپنے یہاں اپنے کچھ عزیزوں کی دعوت کی ہوئی تھی سب بیٹیاں اور بہوئیں اور قریبی عزیز جمع تھے میں اُن کے پاس لجنہ کے کام کے سلسلے میں گئی تھی جب واپس آنے لگی تو فرمایا ابھی جانا نہیں پان کھا کر جانا میں نے کہا کہ آپ مصروف ہیں کیا کھانا ہے فرمایا ہاں لیکن تمہیں بھی خالی نہیں جانے دوں گی خود پان لگا کر دیا۔ محترمہ امی جان کا دستور تھا کہ عیدالفطر کے موقعہ پر کچی سوئیاں اور کھانڈ اور عید الاضحیٰ کے موقعہ پر ہمارے ہاں گوشت بھجوایا کرتی تھیں یہ انہیں کا مقام تھا کہ اتنے اونچے مرتبے پر ہوتے ہوئے بھی ہمیں اس باقاعدگی سے یاد رکھتیں۔ ایک دن جب میں گئی تو مجھے حضور کی مستعملہ قمیض دی جو میرے پاس مبارک تبرک کے طور پر موجود ہے اور ساتھ ہی دریافت فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ انور صاحب کو حضرت صاحب کی پگڑی دوں لیکن بے تکلفی سے ہنستے ہوئے فرمایا لالچ نہ کرنا

اور بتاؤ کہ انور صاحب کتنے گز کی پگڑی پہنتے ہیں میں نے کہا کہ پانچ گز تو فرمایا ہاں ٹھیک ہے اتنی ہی ہو گی حضور کی پگڑی دس گز کی ہوتی ہے لیکن فرمایا اب تو مجھے فرصت نہیں ہے پھر کسی وقت نکال رکھوں گی۔ آخری واقعہ یوں ہوا کہ صبح ۹ بجے کے قریب امی جان کے ہاں گئی چارپائی پر تشریف رکھتی تھیں میرے لئے کرسی منگوائی میں نے کہا آپ کرسی پر تشریف رکھیں لیکن فرمایا کہ نہیں مجھے چارپائی پر بیٹھنے میں آسانی ہے جس پر میں کرسی پر بیٹھ گئی پھر اپنے ہاتھ سے چائے بنائی مجھے دی میں نے کہا کہ میں تو ناشتہ کر کے آئی ہوں اس پر فرمایا کہ میں تو دیر سے ناشتہ کرتی ہوں پھر مجھے چائے کی پیالی دی اور ایک بڑی پلیٹ میں خوبانی اور لوکاٹ تھے وہ مجھے دیئے میں نے دو تین کھا کر کہا بس۔ اس پر بے تکلفی سے مجھ سے مخاطب ہوئیں اور فرمایا کہ بس اب تم نے خاموش رہنا ہے اور بولنا نہیں جو دوں کھاتی جانا میں خاموش ہو گئی اور محترمہ امی جان نے خود تو دو تین لیچیاں کھائیں لیکن مجھے لوکاٹ، خوبانیاں اور لیچیاں اپنے ہاتھ سے چھیل کر دیتی گئیں میں نہیں گن سکی کہ کتنی ہیں بس وہ چھیل کر دیتی گئیں اور میں کھاتی گئی ایک دفعہ درمیان میں مَیں نے انکار کرنے کی کوشش کی آپ نے فرمایا کہ میں نے جو کہا ہے کہ خاموش رہنا اس پر میں پھر خاموش ہو گئی اور پھر جب تک وہ بڑی پلیٹ ختم نہ ہو گئی انکار کا موقعہ ہی نہ دیا۔ بالآخر فرمایا ہمشیرہ یہ موقعے کبھی کبھی آتے ہیں بار بار نہیں آیا کرتے یہ میری ان سے آخری ملاقات تھی۔ جس کی یاد ہمیشہ تازہ رہے گی پھر تو ان کا جنازہ دیکھنا ہی نصیب ہوا۔''

(کتاب ''میری امی جان'' صفحہ ۵۷۔۶۰)

محترمہ زکیہ خانم اہلیہ مرزا محمد صادق صاحب درویش آف کوئٹہ تحریر

کرتی ہیں:

۱۹۴۰ء میں جب میں نے قادیان میں صنعتی اسکول کھولا تو اس کے افتتاح کے موقعہ پر حضرت اماں جان اور دیگر خواتین مبارکہ کے ہمراہ حضرت سیدہ امِ ناصر احمد صاحبہ بھی میری درخواست پر ازراہِ شفقت تشریف لائیں۔

قادیان میں جب بھی حضرت اماں جان کے ہاں دعا کی غرض سے جانا ہوتا تو آپ سے بھی ملاقات ہوتی آپ کی طبیعت میں بہت سادگی بے تکلفی اور پیار تھا۔

اسی طرح آپ نے میری شادی کے موقع پر ازراہِ شفقت نہ صرف شرکت کی بلکہ ایک بیوٹی بکس بمعہ سامان کے اور کچھ نقدی بھی تحفتاً دی۔ جب میں شادی ہو کر کوئٹہ گئی تو یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میرے میاں (مرزا محمد صادق صاحب مرحوم آف کوئٹہ) جماعت کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اسی طرح مجھے مرکز سے آنے والے بابرکت مہمانوں کی خدمت کا بھی موقع ملتا رہا۔ (ذاتی تحریر)

مکرمہ امۃ القیوم صاحبہ اہلیہ مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری مبلغ مغربی افریقہ کو آپ کی خدمت کا بہت موقعہ ملا انہوں نے آپ کی سیرت کو بہت قریب سے دیکھا وہ اپنے مشاہدات اور محسوسات تحریر کرتی ہیں۔ (یہ مضمون کتاب ''میری امی جان'' صفحہ ۴۷ تا ۵۲ لیا گیا ہے)

غزم و ہمت کا مرقع، رحم کا پیکر تھیں وہ
صبر و استقلال کا اک قیمتی گوہر تھیں وہ

آپ غریب پرور اور یتیموں کی مدد کرنے والی تھیں بعض اوقات سوال سے قبل ہی کچھ نہ کچھ دے دیتیں۔ مکرم مرزا صاحبزادہ مبارک احمد

صاحب کے بچہ کی پیدائش پر ایک بوڑھی غریب عورت آپ کے گھر پر آئیں اور کہنے لگی امی جان آپ کو مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے آپ کو پوتا دیا ہے پھر حضرت خلیفۃ المسیح کا یہ شعر گانے لگی

اک سے ہزار ہوویں بابرگ و بار ہوویں

اور جب جانے لگی تو آپ نے اس کو کچھ نقدی وغیرہ دے کر فرمایا کہ اے مائی اس کی مٹھائی کھا لینا وہ دعائیں دیتی ہوئی چلی گئی۔

ایک دن خاکسار نے آپ کا بستر لپیٹا تو تکیہ کے نیچے سے چار روپے نکلے خاکسار نے آپ کو دیئے تو فرمایا۔ یہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجے ہیں آپ چندے باقاعدہ دیتیں جہاں مہینہ شروع ہوا آپ چندے بھجوا دیا کرتیں تھیں دین کی خدمت اسلام کی اشاعت کی آپ کے دل میں بڑی تڑپ تھی اور جوش تھا۔

حقیقت میں مرحومہ ہم سب کے لئے اسلام اور احمدیت کی تعلیم کا صحیح اور سچا نمونہ تھیں اللہ تعالیٰ سے آپ کا بہت محبت کا تعلق تھا۔عورتیں آپ کے پاس دعا کے لئے آتیں اور کہتیں کہ امی جان آپ ہمارے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا فلاں کام کر دے چنانچہ آپ دُعا کرتیں جو اکثر قبول ہو جاتی۔ آپ کا اکثر وقت تسبیح وتحمید میں گزرتا نماز پورے انہماک اور توجہ سے پڑھتیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور بڑے ادب و احترام سے حاضر ہوتیں اور میں نے کئی بار دیکھا کہ نماز پڑھتے ہوئے دوپٹہ دوہرا کر کے اوڑھتیں باوجود اس کے کہ آپ اکثر بیمار رہتیں اور بعض اوقات طبیعت بہت خراب ہوتی لیکن آپ نماز باقاعدگی سے ادا کرتیں اور بعض اوقات بیماری کے باعث بیٹھ کر پڑھتیں لیکن لیٹ کر پڑھتے کبھی نہیں دیکھا ہر نماز کے بعد انگلیوں پر تسبیح وتحمید

کرتیں جب تک ختم نہ کرتیں کسی سے بات نہ کرتیں اور جن دنوں ذرا طبیعت اچھی ہوتی صبح کے وقت قرآن کریم کی تلاوت بھی فرماتیں اور سفر میں بھی قرآن کریم ہمیشہ ساتھ رکھتیں آپ مستجاب الدعوات تھیں کئی دفعہ دُعا کرتیں اسی وقت قبول ہو جاتی چنانچہ ربوہ میں گرمیوں کا ایک واقعہ ہے اس وقت گرمی شدت کی تھی ہوا کا نام و نشان نہ تھا آپ عصر کی نماز پڑھ رہی تھیں جب آپ ختم کر چکیں تو ہوا چلنی شروع ہو گئی خاکسار پاس ہی تھی فرمانے لگیں سبحان اللہ میں نے ابھی اللہ میاں سے دُعا کی تھی کہ الٰہی بڑی سخت گرمی ہے تو ہوا بھیج دے سو اس نے فضل کر دیا اس وقت اگر میں کوئی اور دُعا کرتی تو وہ بھی قبول ہو جاتی۔ اس طرح آپ اپنی کامیابی پر خوش ہو کر پھر خدا کا شکر اور تسبیح و تحمید میں مصروف ہو گئیں۔ ایک دفعہ سردیوں کے دن تھے صبح اُٹھ کر فرمانے لگیں آج اگر عالمہ آ جائے تو حضرت صاحب کی پگڑیاں دھلوا لوں پھر کہنے لگیں خدایا اُسے بھجوا دے ابھی ہم ناشتہ کر بھی نہ چکے تھے کہ عالمہ چلی آ رہی تھی۔ (عالمہ ہمارے گھر چودہ پندرہ سال سے کام کر رہی تھی آپ سے بے حد تعلق تھا اور آپ کے کافی کام وہی آ کر کیا کرتی تھی)

ایک دن خاکسار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی فرمایا کل میری انگلی سے انگوٹھی گر گئی ہے میں سوچ رہی تھی تم آ ؤ تو کہیں تلاش کرو (طلائی انگوٹھی تھی جو چھوٹی انگلی سے گر گئی تھی) خاکسار نے تمام جگہ تلاش کی لیکن کہیں نہ ملی چونکہ وہ انگوٹھی میں نے دیکھی ہوئی تھی اس لئے میں نے افسوس کیا لیکن آپ نے ایک حرف بھی افسوس کا نہ فرمایا اور نہ کسی پر شبہ کیا خاموش ہو گئیں اور خدا تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو گئیں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ طبیعت بہت سنبھلی ہوئی پائی تھی گھر کے معاملہ میں آپ نہایت کفایت کرنے والی اور سلیقہ شعار تھیں

گھر کا انتظام نہایت عمدہ تھا کسی چیز کو ضائع نہ ہونے دیتیں۔ اس سلسلہ میں مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا ۱۹۴۹ء کی بات ہے غلام محمد صاحب اختر ناظر اعلیٰ ثانی کی بیگم صاحبہ چاول لے کر رتن باغ آئیں اور آپ کو دیئے آپ جب دوسرے کپڑے میں ڈال رہی تھیں تو کچھ چاول زمین پر جا پڑے آپ نے انہیں اکٹھا کر لیا اس پر وہ بولیں اک لقمہ بن جائے گا؟ آپ نے نہایت متانت سے فرمایا ایک لقمہ کا سوال نہیں خدا کا رزق اس طرح ضائع نہیں ہونا چاہیے۔

ایک دفعہ خاکسار کو ایک دھلا ہوا چوڑی دار پاجامہ نکال کر دیا اور فرمایا اسے سی دو خاکسار نے عرض کیا کہ امی جان یہ تو کئی جگہ سے پھٹا ہوا ہے آپ کوئی اور پہن لیں فرمانے لگیں کوئی حرج نہیں تم سی دو جمعہ میں دو روز باقی ہیں جمعہ تک کام دے جائے گا جمعہ کو بدل لوں گی اور اُسے سلوا کر پہن لیا کپڑا بڑی احتیاط سے استعمال کرتیں بعض کپڑے کئی کئی سال پہنتی رہیں۔ (آپ کی شادی پر جو کپڑے اماں جان نے بنوا کر بھجوائے تھے وہ اب تک موجود تھے) اور وہ بالکل نئے معلوم ہوتے تھے۔

اس ناچیز خادمہ کو بچپن میں ہی آپ کی خدمت کرنے کا موقعہ ملا اور اب افریقہ آنے سے قبل ایک مدت کے بعد ربوہ میں ایک بار پھر تقریباً پانچ چھ سال سے زیادہ عرصہ آپ کی مبارک زندگی کو دیکھنے کا موقعہ میسر آیا جس سے خاکسار کے ایمان اور آپ کے ساتھ محبت میں بہت ترقی ہوئی کئی دفعہ ایسا ہوتا کہ جب خاکسار واپس جانے لگتی تو پوچھتیں اب کس دن آؤ گی۔ خاکسار عرض کرتی جب آپ فرمائیں میں آ جاؤں گی پھر خود ہی فرماتیں فلاں دن آ جانا۔ خاکسار کے بچوں کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آتیں جب کبھی

بچوں کو لے کر حاضر ہوتی تو آپ ان کے ساتھ مصافحہ کرتیں اور جب کبھی خاکسارہ ساتھ لے کر نہ جاتی تو فرماتیں تم بچوں کو کیوں نہ لائیں اس عرصہ میں خاکسارہ علاوہ دوسرے کاموں کے حضور کی پگڑیاں دھونے کی خدمت بھی کرتی رہی۔ آپ کی صحت ایک لمبے عرصے سے خراب چلی آ رہی تھی لیکن آپ حد درجہ صابرہ اور شاکرہ تھیں بیماری کا بڑے صبر و تحمل کے ساتھ مقابلہ کرتی رہیں اور کبھی شکوہ نہ کیا۔ ۱۹۵۶ء میں موسم سرما میں آپ حضور کے ہمراہ مری اور ایبٹ آباد کے سفر میں تھیں اور میں بھی آپ کے ساتھ تھی مری میں آپ کو سردی کی وجہ سے گھٹنے میں بڑی تکلیف ہوئی ہر روز صبح اُٹھ کر فرماتیں کہ ادھر آؤ میں ذرا پاؤں پر بوجھ ڈالوں تا کہ چل سکوں چنانچہ خاکسارہ آپ کے بازو کے نیچے اپنا بازو رکھ کر آپ کو سہارا دیتی تو آپ کمرہ میں ادھر اُدھر ٹہلتی رہتیں ایک دن صبح کے وقت تھوڑی دیر کے لئے باہر صحن میں بھی تشریف لے گئیں لیکن سردی کی وجہ سے باہر بار بار نہ جا سکتی تھیں اس لئے سارا دن خاکسارہ کو اپنے پاس سے نہ اٹھنے دیتیں کبھی آپ کوئی بات سناتیں اور کبھی مجھے کہتیں کہ کوئی بات کرو چنانچہ میں اخبار پڑھ کر سناتی یا کوئی واقعہ سناتی۔ ایک دن فرمایا جن کی مائیں میرے ساتھ محبت کرتی ہیں اُن کی اولادیں بھی میرے ساتھ محبت کا تعلق رکھتی ہیں۔ جو لوگ مجھ سے محبت کرتے ہیں میں ان کے لئے دعا کرتی ہوں کہ اے خدا جو میرے ساتھ محبت کرتا ہے تو بھی ان کے ساتھ محبت کر اس سفر میں خاکسارہ نے ایک بات کو بہت زیادہ محسوس کیا جس کو حضور اور آپ کی برکات کا ثمرہ اور آپ کی نیک محبت کا اثر سمجھتی ہوں کہ تمام سفر میں نہ صرف آپ کی دعاؤں سے فائدہ اُٹھانے کا موقعہ ملا بلکہ خود بھی غیر معمولی دُعا کرنے کے مواقع میسر آتے رہے آپ کے نزدیک رہنے

سے جو محبت آپ سے پیدا ہوگئی تھی وہ ایسی نہیں کہ آپ کی یاد اب بھول سکے نہ صرف یہ ناچیز خادمہ بلکہ ہر ملنے والی کے دل میں آپ کی یاد نقش ہوگئی ہے کیونکہ آپ کا سلوک ایسا محبت والا تھا کہ ہر ملنے والی سمجھتی کہ آپ کو صرف میرے ساتھ ہی اتنی محبت ہے۔ آخر میں اپنے رحیم و کریم اور قادر خدا تعالیٰ کے حضور عاجزانہ دعا ہے کہ وہ حضرت امی جان کو اپنے قرب میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔آمین۔

(کتاب ''میری امی جان'' صفحہ ۴۷ تا ۵۲)

اپنے پیاروں کی نظر میں آپ کی سیرۃ

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے نے حضرت ام ناصر صاحبہ کی وفات پر مضمون بعنوان ''ہماری بھاوجہ صاحبہ کا انتقال اور احباب کرام کا شکریہ'' لکھا جو الفضل ۷ اگست ۱۹۵۸ء میں شائع ہوا یہ مضمون تحریر ہے۔

''ہماری بھاوجہ صاحبہ سیدہ ام ناصر احمد صاحبہ کی وفات کو جماعت میں جس رنگ میں محسوس کیا گیا وہ ان کی غیر معمولی ہر دل عزیزی اور نیکی اور تقویٰ کا ایک بین ثبوت ہے۔ ہر چند کہ گزشتہ چند دن سے ان کی بیماری کے متعلق الفضل میں اعلانات چھپ رہے تھے اور بیماری کے تشویشناک پہلو کے متعلق بھی اشارات کافی واضح تھے پھر بھی ان کی وفات کی خبر ایک اچانک صدمہ کے رنگ میں محسوس کی گئی جس نے اس کی تلخی کو بہت بڑھا دیا۔ مگر اس حادثہ کا زیادہ تلخ پہلو یہ ہے کہ بعض ناگزیر حالات کی وجہ سے اور کسی قدر نامکمل اطلاعات کی بنا پر مرحومہ کے زندگی بھر کے رفیق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز بھی جو اس وقت نخلہ میں تشریف رکھتے تھے ان کی زندگی میں مری نہیں پہنچ سکے اور یہ حسرت دونوں کے دلوں میں رہی ہو گی کہ اس دنیائے ناپائیدار میں ان کی آخری ملاقات نہیں ہو سکی۔ اور حضرت صاحب تیز سفر کے باوجود وفات کے چار پانچ گھنٹے بعد مری پہنچے۔

حضرت سیدہ ام ناصر احمد صاحبہ کا نکاح ۱۹۰۲ء میں بمقام رڑکی ہوا تھا۔ جہاں اُن کے والد محترم حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب جو قدیم

رفقاء میں سے تھے ان ایام میں متعین تھے اس تقریب میں حضرت خلیفہ اول بھی شامل ہوئے۔ اگلے سال یعنی اکتوبر ۱۹۰۳ء میں بمقام آگرہ آپ کا رخصتانہ ہوا۔ اس طرح حضرت سیدہ ام ناصر احمد صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ساتھ قریباً پچپن چھپن سال گزارے جو خدا کے فضل سے ایک بہت غیر معمولی زمانہ ہے اور انہیں حضرت مسیح موعود کی صحبت کا بھی ایک لمبا موقع میسر آ گیا۔ اور پھر ان کو اللہ تعالیٰ نے اولاد بھی دوسروں کی نسبت زیادہ عطا کی جن میں سے اس وقت خدا کے فضل سے سات لڑکے اور دو لڑکیاں زندہ موجود ہیں۔ ان میں سب سے بڑے عزیزم مکرم مرزا ناصر احمد سلمہ ہیں اور سب سے چھوٹا عزیزم مرزا رفیق احمد ہے جو ابھی تک زیر تعلیم اور قابل شادی ہے اور سیدہ کو بہت عزیز تھا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے فضل اور رحمت کے سایہ میں جگہ دے اور ان کے زخمی دلوں پر اپنی جناب سے مرہم کا پھایہ رکھے۔ آمین یا ارحم الراحمین۔

سیدہ ام ناصر احمد صاحبہ نہایت ملنسار، سب کے ساتھ بڑی محبت اور کشادہ پیشانی سے ملنے والی اور حقیقتہً حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہِ العزیز کے گھر کی رونق تھیں اور حضرت اماں جان کی وفات کے بعد جماعت کی مستورات کا گویا وہی مرکز تھیں کیونکہ عمر میں بھی وہ ہمارے خاندان کی سب خواتین میں بڑی تھیں اور طبیعت کے لحاظ سے بھی اس امتیاز کی اہل تھیں۔ بیشک ہماری بڑی ہمشیرہ مبارکہ بیگم صاحبہ کو بھی یہ وصف نمایاں طور پر حاصل ہے مگر وہ لاہور میں رک جانے کی وجہ سے ربوہ کی مرکزیت میں عملاً حصہ دار نہیں بن سکیں۔ اس لئے عملاً یہ فرض سیدہ ام ناصر احمد صاحبہ کے ذمہ ہی رہا۔ لہٰذا ان کی وفات نے وقتی طور پر یقیناً ایک خلا سا پیدا کر دیا ہے جسے

دور کرنے والا خدا ہی ہے۔

سیدہ ام ناصر صاحبہ نے بہت بے شرّ طبیعت پائی تھی۔ ان کے وجود سے کبھی کسی کو تکلیف نہیں پہنچی اور ان کا وجود ساری عمر اس نوع کی معصومیت کا مرکز بنا رہا۔ نیکی اور تقویٰ میں بھی مرحومہ کا مقام بہت بلند تھا۔ غالبًا یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ سیدہ ام ناصر صاحبہ کو جو جیب خرچ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہٖ العزیز کی طرف سے ملتا تھا وہ سب کا سب چندے میں دے دیتی تھیں اور اولین موصیوں میں سے بھی تھیں جب تک روزوں کی طاقت رہی روزے رکھے اور بعد میں بہت التزام کے ساتھ فدیہ ادا کرتی رہیں۔ یہ انہی کی نیک تربیت کا اثر تھا کہ ان کی اولاد خدا کے فضل سے نمازوں اور دعاؤں میں خاص شغف رکھتی ہے۔ سیدہ ام ناصر احمد صاحبہ کو یہ امتیاز بھی حاصل تھا کہ وہ عرصہ دراز تک لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کی صدر رہیں۔

حضرت ام ناصر صاحبہ کی وفات کے نتیجے میں احباب جماعت کو اس وقت خاص طور پر چار دعاؤں پر بہت زور دینا چاہیے۔ (اول) یہ کہ حضرت صاحب کی طبیعت پر ان کی وفات کا کوئی ایسا اثر نہ پڑے جو حضور کی بیماری اور تکلیف میں اضافہ کرنے کا موجب ہو۔ (دوسرے) یہ کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی اولاد کا حافظ و ناصر ہو خصوصاً عزیز رفیق احمد کا جو اس وقت بہت غم زدہ اور مضمحل ہے۔ (تیسرے) یہ کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نماز جنازہ میں بہت لطیف دعا سکھائی ہے جماعت ہماری بھاوجہ کے نیک اعمال کے اجر سے محروم نہ ہونے پائے۔ (چوتھے) یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ربوہ میں خواتین کے لئے کوئی وجود پیدا کر دے جو اپنے اندر مرکزیت کا مقام رکھتا ہو تاکہ احمدی مستورات اسے مل کر اپنے دلوں میں روحانی راحت پائیں اور اپنے مسائل

میں مشورہ حاصل کر کے سکون حاصل کر سکیں۔ ہماری دوسری بھاوج سیدہ ام متین صاحبہ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہٖ العزیز کی خدمت میں قابلِ رشک انہماک رکھتی ہیں اور ایک طرح سے خط و کتابت کے کام میں حضرت صاحب کی گویا پرائیویٹ سیکرٹری بھی ہیں۔ مگر طبعاً انہیں مستورات سے ملاقات کرنے کے لئے بہت کم وقت ملتا ہے اور پھر طبائع کی مناسبت بھی جداگانہ ہوتی ہے اس لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ جو بات میں نے فقرہ نمبر چہارم کے ماتحت لکھی ہے اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل سے اس کا کوئی احسن انتظام فرما دے یا ہماری ہمشیرہ کے لئے ہی ربوہ میں آ کر خیر و خوبی کے ساتھ آباد ہونے کا رستہ کھل جائے۔

اس موقع پر بے شمار بھائیوں اور بہنوں نے دلی محبت اور قلبی ہمدردی کے ساتھ تعزیت کے پیغامات بھجوائے، ان میں کافی تعداد غیر احمدی اصحاب کی بھی ہے۔ اسی طرح بہت سے اداروں کے ریزولیشن پہنچ رہے ہیں ان سب کے لئے ہمارے دلوں میں مخلصانہ شکریہ کے جذبات جاگزیں ہیں۔ حقیقۃً ایسے موقع پر دوستوں اور عزیزوں اور ہمدردوں کے محبت کے پیغامات انسان کے لئے بڑے سہارے کا موجب ہوتے ہیں۔ گو اصل سہارا بہرحال خدا کا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب دوستوں اور بہنوں کو جزائے خیر دے اور سب کو اپنے فضل و رحمت کے سایہ میں رکھے اور سب کا حافظ و ناصر ہو اور جس طرح انہوں نے ہمارے غم کا بوجھ بانٹا ہے اللہ تعالیٰ ان کے بوجھوں کو دور فرمائے۔ آمین یا ارحم الراحمین۔

خاکسار مرزا بشیر احمد

ربوہ ۴، اگست ۱۹۵۸ء

(الفضل ۷، اگست ۱۹۵۸ء)

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ حضرت سیدہ ام ناصر صاحبہ کے بارے میں اپنے مضمون میں لکھتی ہیں:

''مجھے خدا کے فضل سے اکثر بچپن کی باتیں یاد رہ گئی ہیں خواہ سن وغیرہ یا تفصیل میں کبھی غلطی ہو۔ بھابھی جان پہلی بار بیاہی آ کر صرف دو تین دن ہمارے گھر رہیں چونکہ کم عمر تھیں ان کو جلد میکے بھیج دیا گیا تھا۔ اور پھر سال بھر کے بعد ذرا اور بڑی ہو جانے پر دوبارہ رخصت ہو کر آ گئیں اور پھر گویا مستقل یہاں رہیں۔ ملنے کو کبھی کبھار چلی جاتی تھیں۔ ۱۹۰۴ء میں گورداسپور کے سفر میں وہ ہمارے ساتھ تھیں اور اتنی دیر کی شادی شدہ تھیں کہ کافی بے تکلف تھیں۔ انہوں نے شادی کے بعد اس گھر کو اپنا گھر اور ہم لوگوں کو اپنے بہن بھائی سمجھا۔ ایک گھڑی کو بھی محبت کے بغیر ان کا سلوک یاد نہیں۔ نہایت پیار سے ہم لوگ رہے ہیں میں بہت چھوٹی تھی ضرور ستاتی بھی ہوں گی۔ مگر ان کی شفقت میں کمی نہ آتی دیکھی۔ کبھی تیور پر بل نہ آتا تھا۔ ان کی سعید فطرت اور اس پر حضرت سیدنا بڑے بھائی (حضرت خلیفۃ المسیح) کی تربیت۔ گھر کا مبارک ماحول نیک نمونہ تھا۔ جو سونے پر سہاگہ ہو گیا تھا۔

لوگ کہتے ہیں کہ دو برتن بھی ایک جگہ ہوتے ہیں تو کھٹک جاتے ہیں مگر ہم تو ایک بار بھی نہ کھٹکے تھے۔ مجھ سے جو محبت تھی وہ آخر دم تک نبھائی۔ ہمارے بچوں کے آپس میں رشتے ہوئے ایسے میں سو باتیں قدرتاً ہو جاتی ہیں بدمزگی کی اور ہو سکتی تھیں مگر ہمارے ذاتی تعلقات پر کوئی اثر کبھی نہ پڑا۔ نہ انہوں نے نہ میں نے ان رشتوں کو پہلے رشتے کے درمیان کبھی بھی حائل ہونے دیا۔ حضرت اماں جان کے بعد اور بھی محبت و شفقت خصوصیت سے ان کی جانب سے حاصل رہی۔

دعاؤں میں بے حد شغف تھا۔ بہت دعائیں کرنے والی تھیں۔ جب میرا پہلا بھتیجا نصیر احمد فوت ہو گیا اور پھر بچہ کافی عرصہ تک نہ ہوا تو چونکہ اب سمجھ اور فکر کا زمانہ آ گیا تھا تو انہوں نے اولاد کے لئے بے حد دعائیں کیں۔ ایک بار ایک بات سے رنج پہنچا تو مجھے خود بتایا کہ میں نے تمام شب قریباً رو رو کر خدا تعالیٰ کے حضور دعائیں کیں اور اسی ماہ میں ناصر احمد کی پیدائش کے آثار ظاہر ہو گئے۔

پھر تو خدا تعالیٰ کے فضل سے اوپر تلے اللہ تعالیٰ نے بیٹے بھی دیئے اور بیٹیاں بھی۔ مبارک زندگی تھی، مبارک انجام ہوا۔ اللہ تعالیٰ جنتِ اعلیٰ میں اعلیٰ سے اعلیٰ درجات عطا فرمائے۔

احباب سے التجاء ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح کی صحت اور زندگی کے لئے خصوصیت سے بے حد دعائیں کریں۔ مجھے فکر ہے خواہ کتنا بھی اعلیٰ درجہ کا صبر ان کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے پھر بھی بشریت کا تقاضا ہے کہ اتنے پرانے رفیق کا جُدا ہو جانا دل پر اثر انداز ہو۔ خدا کرے ان کی صحت کو دھچکا نہ لگے۔

فقط

مبارکہ

(مصباح ستمبر ۱۹۵۸ء)

میری امی جان

صاحبزادی آپا ناصرہ بیگم صاحبہ اور صاحبزادی آپا امۃ العزیز بیگم صاحبہ نے اپنی والدہ حضرت سیدہ امِ ناصر صاحبہ کے بارے میں اپنی یادیں بھیجی ہیں۔ جو باتیں دونوں نے ایک جیسی لکھی ہیں اُن کو مشترک کر دیا ہے اور جو الگ الگ ہیں ان کو الگ روایت کر دیا ہے۔ (نسیم سعید)

میری امی جان نماز کی بہت پابند تھیں اور نمازوں کو بہت اہتمام اور خشوع سے پڑھتی تھیں اپنی اولاد کو بھی نمازوں کا پابند بنایا۔ مجھے یاد ہے جب میں چھوٹی تھی تو صبح کی نماز کے لیے جگاتی تھیں اگر میں اٹھنے میں سُستی کرتی تو پانی کے چھینٹے دے کر صبح کی نماز کے لیے جگاتی تھیں۔ اپنی اولاد کو نماز کا پابند بنایا۔ لڑکوں کو مسجد بھجواتی تھیں کہ جماعت کے ساتھ جا کر نماز پڑھیں۔ خدا کے فضل وکرم سے ہم سب بہن بھائی نماز کے بہت پابند ہیں۔ یہ خدا کا فضل وکرم اور میری امی جان کی تربیت سے ہے۔ آپ کی شادی بہت چھوٹی عمر میں ہوئی۔ آپ اتنی چھوٹی تھیں کہ جب کبھی آندھی یا بارش وغیرہ ہوتی تو اس خیال سے کہ بچی ہے گھبرا نہ جائے حضرت اماں جان آپ کی چارپائی اپنے پاس لے آتیں۔ اس چھوٹی عمر کے باوجود جبکہ ناپختہ عمر تھی حضرت مسیح موعود کا بہت احترام تھا اور وہ ان سے بہت محبت کرتی تھیں آپ کہا کرتی تھیں کہ میری ہمیشہ ہی یہ خواہش رہی کہ حضرت مسیح موعود کی قربت میں زیادہ وقت گزاروں اور جو بھی خدمت کرسکتی ہوں ان کی کروں۔

میری بڑی پھوپھی جان بتایا کرتی تھیں کہ بڑی بھابھی جان (یعنی میری امی جان) ہمیشہ حضرت مسیح موعود کو وضو کرواتی تھیں مجھے بھی شوق تھا کہ میں بھی وضو کرواؤں مگر میں جب بھی وضو کروانے جاتی وہ مجھ سے پہلے ہی حضور کو وضو کروا رہی ہوتیں۔

امی جان بتایا کرتی تھیں کہ حضرت مسیح موعود مجھ سے بہت ہی محبت اور تعلق رکھتے تھے کئی دفعہ ایسا ہوا کہ مجھے اپنی الماری کی چابی دے کر فرمایا کہ محمودہ میری الماری کھول کر جو تمہارا جی چاہے وہاں سے نکال کر کھا لو غالباً ان کو اس بات کا خیال ہوتا تھا کہ میں چونکہ بڑے شہروں میں اپنے والد کے ساتھ رہتی آئی ہوں میرا دل مزے مزے کی چیزیں کھانے کو چاہتا ہو گا اور ان دنوں قادیان میں کچھ بھی نہیں ملتا تھا۔ میرے لئے حضرت مسیح موعود کو چھوٹی چھوٹی باتوں تک کا خیال تھا۔

بڑی پھوپھی جان نے ایک اور واقعہ بتایا تھا کہ کچھ لڑکیوں نے مذاق میں یہ مشہور کر دیا کہ میرے ابا جان فلاں لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں اس پر قدرتی بات ہے میری امی جان کو تکلیف ہوئی اور وہ خاموش سی ہو گئیں حضرت مسیح موعود نے پھوپھی جان سے پوچھا کہ کیا بات ہے محمودہ افسردہ ہے میں نے جب یہ بات بتائی تو حضور نے امی جان کو بُلا کر فرمایا محمودہ میری زندگی میں تم پر سوکن نہیں آئے گی۔ اس فقرہ سے امی جان کو تسلی ہو گئی یہ ایک طرح کی پیشگوئی بھی تھی کہ میرے بعد میاں محمود شادیاں کریں گے سو ایسا ہی ہوا حضرت اماں جان بھی امی سے بہت محبت اور شفقت کا سلوک کرتیں اور امی جان کو بھی آپ سے عشق کی حد تک محبت تھی ہم نے ہمیشہ حضرت اماں جان کا بہت ادب اور محبت کرتے دیکھا ہے اسی طرح دونوں پھوپھی جان

سے بھی بہت محبت کرتی تھیں بڑی پھوپھی جان چونکہ بڑی تھیں ہمیشہ ان سے دوستی کا تعلق رہا مگر ادب کے ساتھ ہمیشہ یہ تعلق قائم رہا۔ چھوٹی پھوپھی جان سے بھی محبت پیار ہی دیکھا۔ دونوں چچا جان سے بھی تعلق رکھتی تھیں۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب چونکہ دارالمسیح میں ہی رہتے تھے ان کا اکثر اماں جان کے پاس آنا ہوتا تھا۔ امی جان ہمیشہ جب بھی ان کے سامنے جاتیں بڑے ادب سے دوپٹے کی دوہری بکل لے کر سامنے جاتی تھیں۔

ہمارا گھر دارالمسیح میں حضرت اماں جان کے کمروں کے سب سے قریب تھا۔ ابا جان کے دفتر کا رستہ ہمارے گھر کے اندر سے ہی جاتا تھا بس یہ سمجھ لیں کہ ایک قسم کا پبلک رستہ تھا سب وہیں سے گزرتے تھے۔بعض اوقات ابا جان کی طبیعت خراب ہوتی تو رات کے بارہ بجے تک بھی سب بیویوں بچوں اور ملازموں کو وہیں سے گزرنا پڑتا تھا گویا اپنے گھر کی کوئی Privacy نہیں تھی اس تکلیف میں بھی کبھی کچھ نہیں کہا۔ یہ ایسی تکلیف تھی کہ ہر ایک کو یہ برداشت کرنا مشکل تھا۔ یہ میری امی جان کا حوصلہ تھا کہ حضور سے کبھی گلہ نہیں کیا۔ چندہ بہت دیتی تھیں ہر تحریک میں شامل ہوتی تھیں۔ امی جان کی وفات پر مجھے میرے عمو صاحب نے بتایا تھا کہ انہوں نے اپنی وصیت ۱/۳ کی کی ہوئی تھی مگر ہمیں ان کی زندگی میں اس کا علم تک نہ تھا۔ خاموشی سے سب کام کرتی تھیں حضرت ابا جان جو ان کو جیب خرچ دیتے تھے وہ سب چندے میں دے دیتی تھیں کہتی تھیں میری ضرورت خدا خود پوری کر دیتا ہے۔ صاحبزادی امۃ العزیز صاحبہ کہتی ہیں ایک دفعہ میرے داماد ڈاکٹر مبشر احمد صاحب نے کہا ''آپ سب کو چندہ دینے کی عادت امی جان سے ہی پڑی ہے رقیب یعنی (میری بیوی) بھی چندے میں بہت باقاعدہ ہے۔''

آپا جان سارہ کی جب وفات ہوئی تو لڑکی پیدا ہوئی تھی بہت تکلیف سے ہوئی تھی اسی میں ان کی وفات ہوگئی تھی لڑکی نارمل نہیں تھی مجھے یاد ہے امی جان کئی دن اس لڑکی کو گود میں لے کر بیٹھ رہتی تھیں۔ چند دن کے بعد اس کی بھی وفات ہو گئی تھی۔ آپا جان سارہ کے دو لڑکے اور ایک لڑکی امۃ النصیر امی جان کے پاس ہی رہے۔لڑکوں سے بھی پیار کرتیں مگر امۃ النصیر تو بہت پیاری تھی۔ صاحبزادی امۃ العزیز صاحبہ کہتی ہیں میں چھوٹی تھی میرے سے پہلے دو لڑکیاں امی جان کی فوت ہو گئی تھیں اور میرے بعد کوئی لڑکی پیدا بھی نہیں ہوئی۔ اس وجہ سے میرے ساتھ بہت محبت تھی مگر میں نے کبھی بھی یہ محسوس نہیں کیا کہ امی جان نے میرے اور امۃ النصیر میں فرق کیا ہو بعد میں یہ بات خاندان کے باہر بھی سب کو پتہ تھی بلکہ میری خالہ غیر احمدی تھیں مگر دونوں بہنوں کا پیار بہت تھا وہ اکثر قادیان آتی تھیں اور ان کے بچے بھی آتے تھے۔ جب خالہ جان کے بچوں کی شادیوں میں شامل ہونے کے لئے لاہور جاتیں تو امۃ النصیر ضرور ساتھ ہوتی۔ امی جان کی اسی محبت کی وجہ سے جب بھی ان کے بچوں سے ملنا ہوتا وہ امۃ النصیر کا ضرور حال پوچھتے۔

محبت کا سلوک سب سے تھا اس وقت قادیان میں زیادہ تر واقف زندگی ہی رہتے تھے۔ ان کے اہلِ خانہ کے ساتھ بہت تعلق رکھتی تھیں مولوی رحمت علی صاحب کی بیوی، خالہ عائشہ کا تو بہت ہی ہمارے گھر آنا ہوتا تھا۔ ان کے اور ان کے بچوں کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ اسی طرح شیخ مبارک احمد صاحب جو کئی ملکوں میں مبلغ رہے ان کی والدہ کے ساتھ بہنوں کا سا سلوک تھا۔ ان کی والدہ نے مجھے امی جان کی وفات کے بعد بتایا ''میرا بہت خیال رکھتی تھیں۔ شیخ مبارک احمد کی جب شادی ہوئی تو تنگی کی وجہ سے مجھے فکر تھا

مگر آپا جان (یعنی امی جان نے) مجھے تسلی دی اور جب ہم بارات لے کر دلہن کو گھر لائے تو آپا جان نے سب مہمانوں کے لئے کھانا پکا کر بھجوایا ہوا تھا اس سلوک سے مجھے ان سے اور بھی زیادہ محبت ہو گئی کہ کس طرح ہم لوگوں کا خیال رکھتی ہیں۔

بہت عورتیں ہر وقت آپ سے ملاقات کے لئے آتیں مگر کبھی ان سے گھبراتی نہیں تھیں ویسے تو یہ ملاقات ہر روز ہی چلتی مگر جلسہ سالانہ پر تو بہت رش ہوتا تھا۔ ان دنوں میں تو بعض وقت رات کے بارہ بج جاتے مگر کبھی نہیں گھبرائیں۔ میرے چھوٹے ماموں، تقی الدین کی ساس ہمیشہ ہمارے گھر جلسے پر ٹھہرتی تھیں۔ وہ امی جان کو کہتی تھیں اتنی سردی میں رات تک برآمدے میں بیٹھی مہمانوں سے ملتی رہتی ہیں اتنی رات تک نہ بیٹھا کریں۔ امی جان ان کو جواب دیتیں کہ یہ سب لوگ اتنی تکلیف اٹھا کر حضرت مسیح موعود کی محبت کی وجہ سے آتے ہیں تو کیا میں ان کے لئے اتنی قربانی بھی نہ کروں۔

مصافحہ کرنے والی، ہر عورت کا ٹھنڈا ہاتھ ہوتا بعض اوقات مسلسل ٹھنڈے ہاتھوں کے مصافحے سے آپ کے ہاتھ ٹھنڈ سے سوج جاتے مگر اسی میں ان کی خوشی تھی کہ سب سے مل لوں۔

قادیان میں بھی مجھے یاد ہے کہ جلسے کے دنوں میں دارالمسیح کے نچلے حصے میں چار سو ساڑھے چار سو مہمان ہوتے تھے کھانا تو لنگر خانے سے آتا تھا مگر امی جان فجر کی نماز پڑھ کر اپنے ساتھ دو تین ڈیوٹی والی عورتوں کو لگا کر نیچے سب کو چائے بھجواتی تھیں کہ ٹھنڈ ہے ان کو چائے ملنی چاہیئے۔

میرے بڑے بھائی جان حضرت مرزا ناصر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثالث) کو چھوٹی عمر میں ہی حضرت ابا جان نے حضرت اماں جان کو دے دیا

تھا۔ وہ ان کے پاس ہی رہتے۔ بھائی جان سے پہلے، امی جان کا ایک لڑکا جو حضرت مسیح موعود کی زندگی میں پیدا ہوا تھا جلد ہی فوت ہو گیا پھر نو سال بعد بھائی جان (مرزا ناصر احمد صاحب) پیدا ہوئے آپ کے بعد جلدی جلدی اللہ تعالیٰ نے اور اولاد دی۔

صاحبزادی آپا امۃ العزیز کہتی ہیں میری اور بھائی جان کی عمر میں بہت فرق تھا جب میں نے ہوش سنبھالا تو بھائی جان لاہور پڑھنے جا چکے تھے وہ جب لاہور سے آتے پہلے سیدھے حضرت اماں جان کے پاس چلے جاتے۔ امی جان کے پاس بھی سلام کرنے آتے اور تھوڑی دیر پاس بیٹھ کر چلے جاتے۔ کبھی بھی امی جان نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ میرا بیٹا ہے اور میرے پاس تھوڑی دیر بیٹھتا ہے نہ میرے بھائی جان نے اس قسم کا کوئی اظہار کیا۔

امی جان کی وفات مری میں ہوئی تھی۔ جب ہم جنازہ لے کر ربوہ آ رہے تھے میں اور میری بڑی بہن آپا ناصرہ بیگم کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھے تھے اور بھائی جان کار میں آگے بیٹھے ہوئے تھے راستے میں بھائی جان نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور کہا کہ ناصرہ اماں چپ کر کے چلی گئیں۔

اتنے درد سے انہوں نے یہ جملہ کہا تھا کہ میں اب بھی سوچتی ہوں تو رونا آ جاتا ہے مگر امی جان کی زندگی میں کبھی اپنی محبت کا اظہار نہیں کیا نہ ہی میری امی جان نے بتایا کہ مجھے ناصر احمد سے کتنی محبت ہے۔

صاحبزادی امۃ النصیر صاحبہ بیگم مکرم پیر سید معین الدین صاحب جن کو اُن کی والدہ سارہ بیگم صاحبہ کی وفات کے بعد اُن کے والد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے حضرت ام ناصر صاحبہ کی تحویل میں دے دیا تھا حضرت ام ناصر صاحبہ کے بارے میں تحریر کرتی ہیں:

ہم سب بچے انہیں امی جان اور بھائی جان (حضرت خلیفہ الثالث) انہیں اماں کہتے تھے۔

حضرت مسیح موعود کے زمانے میں وہ عورتیں جو ہجرت کر کے آتی تھیں اور ''دارالمسیح'' کے نچلے حصے میں آ کر ٹھہرتی تھیں وہ سب آپ کو بڑی بھابھی جان کہہ کر پکارتی تھیں۔ اس کے بعد کے دور میں امی جان کو آپا جان کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ ہماری عمر کی لڑکیاں امی جان ہی کہہ کر پکارتی تھیں۔ آپ نے ''بھابھی جان''، ''آپا جان'' اور ''امی جان'' کے تمام رشتوں کو ہر دور میں خوب اچھی طرح نبھایا۔ مبلغوں اور جماعت کے کارکنوں کی بیویوں کو آپ نے بہن بنایا ہوا تھا اُن سب کے ساتھ آپ کا بڑی بہن جیسا سلوک تھا۔ ان کی خوشی میں ہر طرح کام آتیں۔ ان کی تکلیف میں ان کی مدد کرتیں اور یہ سب خواتین بھی ان کے گھر کو اپنا گھر سمجھ کر جس وقت دل چاہا آ جاتی تھیں۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ ان کے بے وقت آنے پر امی جان نے بُرا منایا ہو، خوشی سے ان کو بٹھاتیں۔ حضرت مصلح موعود کے دفتر کا رستہ ان کے گھر سے تھا۔ اس لئے وقت بے وقت عورتیں دعا اور دوا کا کہنے کے لیے آ کر بیٹھ جاتیں۔ یہاں تک کہ چوتھے دن حضور کی باری پر دوپہر کے وقت بھی آ جاتیں۔ مگر بلند حوصلہ خاتونِ مبارکہ نے کبھی بُرا نہیں منایا۔ خوشی خوشی ان کو بیٹھنے کے لیے کہتیں۔ حضور کھانے پر آتے، کھانا کھاتے اور کھانے کے بعد یہ خواتین امی جان سے حضور کا تبرک لے کر ضرور کھا کر جاتیں۔

ابا جان امی جان کی بہت قدر کرتے تھے۔ اکثر جب سب مائیں پہاڑ پر جاتیں تو امی جان ابا جان والی گاڑی میں ہوتیں۔ بیماری کے بعد حضرت چھوٹی آپا اور حضرت مہر آپا آپ کی گاڑی میں بیٹھتی تھیں کیونکہ

انہوں نے دوائی دینی ہوتی تھی۔ ایک دفعہ حضرت ابا جان جابہ سے آ رہے تھے۔ دوسری کار میں امی جان تھیں۔ جب ابا جان ربوہ پہنچے تو دیکھا کہ امی جان کی کار نہیں پہنچی۔ ہمارے جو بھائی ساتھ تھے ان سے سخت ناراض ہوئے کہ تم نے یہ کیوں نہیں دیکھا کہ تمہاری امی جان کی گاڑی پیچھے آ رہی ہے یا نہیں۔ میں خود جا کر لے کر آؤں گا۔ کار میں بیٹھ کر روانہ ہونے ہی والے تھے کہ امی جان کی کار پہنچ گئی۔ تب آپ کو اطمینان ہوا۔

ابا جان نے بتایا کہ جب میں قادیان سے باہر جاتا تو تمہاری امی جان سے پوچھتا کہ کیا لاؤں۔ تو کہتیں کہ گلاب کا عطر اور چنبیلی کا تیل۔ ایک دن ابا جان کہنے لگے کہ میں نے تمہاری امی جان کو انگریزی بھی پڑھائی ہے۔

امی جان بتاتی تھیں کہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے درس پر بھی جاتی تھی۔ بعض دفعہ اگر میں درس پر نہ جاتی اور دوبارہ جاتی تو حضور فرماتے کہ درس پر ضرور آیا کرو میری زندگی کا کیا اعتبار۔ حضرت مصلح موعود کے درس پر امی جان ضرور جاتیں خواہ طبیعت خراب بھی ہو تب بھی ضرور جاتیں۔ امی جان بتاتیں کہ امی جان نے بہت ساری لڑکیوں کو قرآن بھی پڑھایا ہے۔

حضرت سیدہ امِ ناصر صاحبہ نے حضرت سیدہ سارہ بیگم صاحبہ کی وفات کے بعد اُن کے بچوں کو بھی ماں کا پیار دیا اور اعلیٰ تربیت کی چنانچہ آپا امۃ النصیر صاحبہ تحریر کرتی ہیں:

”بڑی پھوپھی جان نے بتایا کہ جب تمہاری والدہ کی وفات ہوئی تو بڑے بھائی جان (حضرت مصلح موعود) کو بچوں کی فکر ہوئی کہ کون ان کی پرورش کرے گا۔ تو کہنے لگے کہ صحیح تربیت تو تمہاری بڑی بھابھی جان ہی کر سکتی ہیں۔ ابا جان گھبراتے بھی تھے کہ امی جان کے پاس انور اور اظہر پہلے ہی

دو چھوٹے بچے ہیں۔ میں ابھی صرف چار سال کی تھی۔ چار سال کے بچے کے ساتھ کام ہوتا ہے۔ ابا جان نے میرے کام کی ذمہ داری باجی جان (آپا ناصرہ بیگم صاحبہ) کے سپرد کر دی۔ سال کے بعد باجی جان کی شادی ہو گئی۔ اس وقت تک میں کچھ سنبھل گئی تھی۔

جلسے پر جب بھی عورتیں آتی تھیں تو ہمیشہ پوچھتی تھیں کہ آپ کی کتنی بیٹیاں ہیں تو امی جان ہمیشہ کہتی تھیں کہ میری تین بیٹیاں ہیں۔ (یعنی باجی جان اور بی بی امۃ العزیز کے ساتھ مجھے بھی شمار کرتیں) بہت سی باتیں جو میں نے امی جان سے سیکھیں ان میں صبر، شکر، قناعت، بڑوں کی خدمت، بڑوں کی عزت، ادھر کی بات اُدھر نہیں کرنی اور جھوٹ نہیں بولنا زیادہ خاص ہیں۔

ابا جان جو بھی خرچ گھر کے لیے دیتے اس میں سے پورا کرتیں بہت سادگی اور سلیقے سے رہتی تھیں۔ بھائی مبارک کی شادی پر امی جان نے اپنے جوڑے پر بھائی جان (ناصر) کی شادی پر جو جوڑا پہنا تھا اس کا گوٹہ صاف کر کے اتار کر لگایا تھا۔ ابا جان کو کسی شخص نے خط لکھا کہ آپ ہمیں تو گوٹہ خریدنے سے منع کرتے ہیں اور میری بیوی نے مجھے بتایا کہ ام ناصر نے میاں مبارک کی شادی پر جوڑے پر نیا گوٹہ لگایا تھا۔ ابا جان نے امی جان سے پوچھا کہ یہ خط آیا ہے تو امی جان کہنے لگیں کہ میں نے تو نیا گوٹہ نہیں خریدا۔ ناصر احمد کی شادی پر جو جوڑا پہنا تھا اس کا گوٹہ اتار کر لگایا ہے۔ دوپٹے پر اگر سوراخ ہو جاتے تو اس کو رفو کر کے پہن لیتی تھیں۔ گرمیوں میں دو یا تین جوڑے ہوتے کہ جن پر گھر میں ہی رنگ کر لیتی تھیں۔ ان ہی کپڑوں پر مختلف رنگ کر لیتیں کہ دیکھنے والوں کو محسوس ہوتا کہ جیسے بہت سارے کپڑے ہیں۔

باغ سے ہار سنگھار کے پھول آتے تو خوشبو کے لیے اپنے کپڑوں میں رکھ لیتیں۔ پھول کی ڈنڈی سے دوپٹہ بھی رنگ لیتی تھیں۔

امی جان جب ابا جان کے لیے کھانا پکاتیں تو سامان مجھ سے منگوایا کرتی تھیں۔ اس طرح مجھے کھانا پکانا آ گیا۔ جب ابا جان کے کپڑے سیتی تھیں تو مجھ سے کٹواتی تھیں اس طرح کپڑے سینے آ گئے، اور کپڑے کی رنگائی اور ان کو ملانا کہ کون سا رنگ ملانے سے کون سا رنگ بنتا ہے یہ بھی سب میں نے ان سے سیکھا ہے۔

امی جان نے بتایا کہ ایک دفعہ وہ کپڑے سی رہی تھیں کہ ایک دیہاتی عورت آئی اور کہنے لگی کہ ''تسی درزی ہوندے او'' تو امی جان نے کہا کہ آپ نے کچھ سلوانا ہے۔ تو کہنے لگی کہ میں جلدی میں آ گئی ہوں اور مجھے تہہ بند کی اوپر کی سلائی لگوانی ہے تو امی جان نے کہا ''اچھا'' تھوڑی دیر کے بعد حضرت اماں جان کے پاس سے ایک عورت آئی کہ آپ کو حضرت اماں جان بلوا رہی ہیں۔ یہ دیہاتی عورت حضرت اماں جان کے پاس بھی گئی اور باتیں کرتے ہوئے کہا ''تُسی اپنی نوہاں نوں وی بلاؤ'' یعنی آپ اپنی بہوؤں کو بلائیں۔ اماں جان نے امی جان کو بلوایا تو وہ عورت سخت شرمندہ ہوئی اور معذرت کرنے لگی حضرت اماں جان نے پوچھا کہ یہ کیوں معذرت کر رہی ہے۔ تو اس عورت نے بتایا کہ مجھے غلطی لگی تھی۔ تو اماں جان نے اسے سمجھایا کہ تم نے لاعلمی میں یہ بات کی ہے اس لئے کوئی بات نہیں۔ قادیان سے جب ہم ہجرت کر کے آئے تو سارا خاندان رتن باغ میں رہائش پذیر تھا۔ ہماری ہر والدہ اور اُن کے بچوں کو ایک ایک کمرہ حصہ میں آیا۔ اس میں سب کے پلنگ لگوا دیئے گئے تھے۔ حضرت ابا جان نے کھانا تقسیم کرنے کی ڈیوٹی امی جان کے سپرد کی۔

جب کبھی امی جان کی طبیعت خراب ہوتی تو مجھے کہتیں کہ آج کھانا تم تقسیم کر دو۔ ان ہی کی تربیت تھی کہ مجھے کھانا تقسیم کرنے کا سلیقہ آ گیا۔

جلسہ سالانہ کے موقع پر دارالمسیح کے نچلے حصے میں چار ساڑھے چار سو کے قریب مہمان ہوتے تھے۔ اوپر امی جان کے گھر میں اور میرے کمرے میں بھی مہمان ہوتے تھے۔ ایک کمرہ دفتر ناظمہ کے لیے ہوتا اور ایک دو معاونات جو کہ رات کو ٹھہرتی تھیں وہ بھی امی جان کے کمرے میں ہوتی تھیں۔ ان سب کی منتظمہ بی بی امۃ العزیز تھیں۔ ان کی شادی کے بعد طبیعت کی خرابی کی وجہ سے وہ کام نہیں کرسکتی تھیں تو امی جان نے مجھے کہا کہ دارالمسیح کے مہمانوں کی مہمان نوازی ہمیشہ میری لڑکیوں نے کی ہے۔ امۃ العزیز بیمار ہے اس لئے اب تم کام کرو گی۔ ان کا دیا ہوا اعتماد اور تربیت تھی کہ پارٹیشن تک میں پانچ سال ان مہمانوں کی منتظمہ رہی۔

امی جان کے صحن میں سب مہمانوں کو امی جان کی طرف سے صبح چائے بن کر جاتی تھی۔

میری بچی امۃ الغفور کی پیدائش پر ہماری نائین بیمار ہوگئی میرے پاس کوئی نہیں تھا۔ امی جان ان دنوں جابہ میں تھیں آپ ایک دن کے لئے آئی تھیں اور میرے پاس ہی رہیں اور میرے لیے ایک خاتون کو بلوا کر اس کا میرے لیے انتظام کر کے میرے پاس چھوڑ کر گئیں۔ میری بڑی بیٹی امۃ الصبور کی پیدائش امی جان کے گھر ہوئی۔ رات کو اگر صبور روتی تو کہتیں کہ بچی کو کیوں رلاتی ہو اسے مجھے دے دو۔ پھر اس کو سلا کر مجھے واپس دے دیتی تھیں۔ اسے بہت پیار کیا۔ ذرا بڑی ہوئی تو روز شام کو امی جان کے پاس جاتی اور پھر ان سے پیار لے کر اور کچھ نہ کچھ لے کر آتی تھی۔

حضرت صاحبزادی امۃ الرشید صاحبہ حضرت امِ ناصر صاحبہ کے بارے میں بتاتی ہیں کہ وہ اور اُن کے شوہر میاں عبدالرحیم احمد صاحب (جو حضرت مصلح موعود کی بیٹی اور داماد تھے) سندھ میں حضور کی اور جماعت کی زمینوں کی نگرانی فرماتے تھے۔ انہوں نے حضرت سیدہ ام ناصر صاحب کے حسن انتظام کے بارے میں عاجزہ کو انٹرویو میں بتایا:

''حضرت ابا جان (مصلح موعود) جب بھی سندھ کے دورے پر جاتے تھے کبھی کسی بیوی کی باری ہوتی تھی کبھی کسی کی یعنی ایک سال امِ ناصر گئی ہیں تو دوسرے سال کوئی اور جاتیں۔

لیکن جس سال حضرت ام ناصر کی باری ہوتی تھی وہ بہت ہی اچھا رہتا تھا بلکہ میں عمو صاحب (حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب) کو بھی کئی دفعہ خط میں لکھتی تھی کہ ہمارے لئے حضرت امی جان کا سفر بڑا ہی بابرکت ہوتا ہے۔ کیونکہ جس سفر میں امی جان آتی تھیں تین دن حضرت صاحب ہمارے مہمان ہوتے تھے (کیونکہ ہم وہاں زمینوں کی دیکھ بھال کے لئے وہاں رہتے تھے) اور تین دن کے بعد ہم حضور کے مہمان ہوتے تھے۔ تمام خرچ حضور کرتے تھے۔ ہر وقت جماعتوں سے ملنے والے احباب و خواتین ملنے کے لئے آتے تھے جمعہ کے دن ۱۵۰ سے ۲۰۰ تک لوگ آتے تھے۔ ان کے لئے کھانے پینے کا انتظام غرضیکہ ایک لنگر چلتا تھا۔ خرچ تو حضور کا تھا لیکن سارا انتظام میاں عبدالرحیم احمد صاحب کرتے تھے۔ آٹا، چاول، گھی لکڑیاں تمام ضرورت کی چیزیں راشن اور پانی۔ بلکہ پانی تو وہاں کیچڑ کی طرح کا ہوتا تھا۔ بڑے بڑے مٹکوں میں پھٹکری ڈال کر رکھا جاتا تھا جب مٹی کیچڑ نیچے بیٹھ جاتی تھی تو دوسرے مٹکے میں احتیاط سے نکالا جاتا پھر فلٹر کیا

جاتا تھا پھر اس کو اُبالا جاتا تھا۔ غرض بہت محنت سے پینے کا پانی الگ اور استعمال کا الگ کیا جاتا تھا۔

حضرت ام ناصر ایک کمرے میں حضور کے استعمال کے لئے پانی کے مٹکے الگ رکھواتیں کہ ملازمین سب پانی خرچ کر دیں گے اور حضور کے لیے نہیں بچے گا۔ اس قدر خیال کرتی تھیں۔ راشن وغیرہ خود چیک کرتیں اور تین چار دن پہلے میرے میاں کو بتا دیتیں کہ فلاں چیز چار دن کی رہ گئی ہے بلکہ مجھ سے بھی چھپاتیں رازداری سے الگ جا کر کہتیں تاکہ سارا انتظام ٹھیک رہے۔ آپ کے حسنِ انتظام سے سب کو تسلی رہتی۔

ان کی باری میں کبھی ایک دفعہ بھی ابا جان کو غصہ نہ آیا۔ ابا جان کا تو بہت زیادہ خیال رکھتی تھیں اور باقی سب کا بھی۔ میرے خسر جو ہمارے ساتھ ہی رہتے تھے اُن کے کھانے اور آرام کا بارہا پوچھتیں کہ ان کا کھانا ٹھیک پکا ہے انہوں نے کھانا کھا لیا ہے۔ ان کی مرضی کا کھانا پکواؤ۔ غرض اُن کا بھی خیال رکھتیں کہ اب وہ بھی ہمارے مہمان ہیں۔

سوال: ام ناصر صاحبہ نے کن بچوں کو پالا۔

امِ ناصر صاحبہ نے آپا جان سارہ کے بچوں کو میاں رفیع صاحب کو میاں حنیف کو اور نصیر کو۔ امۃ النصیر کا تو سب سے زیادہ خیال رکھتیں اور پورا نام امۃ النصیر بیگم کہہ کر پکارتیں اور اگر کوئی پیار سے چھیرو کہتا تو اُسے منع کرتیں کہ پورا نام لو۔

پیر معین الدین کی والدہ صاحبہ نے امی جان کو کسی رشتے کے لئے کہا کہ میری خواہش ہے کہ آپ مجھے مشورہ دیں تو آپ نے کہا (آپ کی اُن سے بہت دوستی تھی) کہ اس سے بڑی بہن بھی تو ہے۔ امۃ النصیر بیگم اتنی سلیقہ

مند اور نیک اور اچھی ہے مجھے تو پہلے اس کا خیال ہے۔ بڑی وہ ہے پہلے اُس کا ہو گا بالکل ماں کی طرح سوچا بڑی محبت پیار ادب اور لحاظ کرتی تھیں۔ تمام تربیت گھر داری لکھائی پڑھائی سلیقہ سکھایا۔ غرض کبھی فرق نہ سمجھا۔ اولاد کی طرح ہی تربیت کی۔

آپ کی بہو تنویر الاسلام صاحبہ بیگم مرزا حفیظ احمد صاحب کے تاثرات

میں نے شادی کے بعد آپ کو قریب سے دیکھا ان کی شفقت اور نرم طبیعت نے مجھے بہت متاثر کیا۔ میں نے بھی ان کی خدمت بہت پیار سے کی وہ محبت وسلوک کی قدر دان بھی تھیں۔

اپنی زندگی میں وہ بار بار امتحانوں سے گزرتی رہیں مگر وہ تو صبر و رضا کی پیکر تھیں۔ میں نے اُن کے چہرے پہ غصے کے آثار نہ دیکھے۔ کبھی اُن کی زبان سے کوئی شکوہ نہ سنا۔

ایک دفعہ میں اُن کے گھر گئی تو بخار کی حالت میں تھیں میں نے گرم پانی کی بوتل دی، دبایا۔ یہ ایک معمولی بات تھی مگر شکر گزاری کی حد کر دی ہر ایک سے ذکر کرتیں کہ تنویر نے میری خدمت کی۔ مجھے بھی اُن سے بہت پیار تھا۔ میں جب اُن کی کسی ضرورت کو محسوس کرتی میری خواہش ہوتی کہ اس کو میں پورا کروں۔ اس وجہ سے ایک دفعہ کہنے لگیں میں نے آج تک کسی بیٹے سے کبھی کوئی چیز نہیں مانگی۔ مانگ سکتی ہوں تو تم سے۔ میں اس بات پر فخر محسوس کرتی ہوں۔ خدمت اور کام لینے کا حجاب بچوں سے بھی تھا ایک دفعہ آپ کی ملازمہ چلی گئی تو میں نے کھانا پکوا کے بھجوانا شروع کیا اس کو بھی بوجھ محسوس کیا اور کہنے لگیں تمہارے گھر سے کھانا آتا ہے شرم آتی ہے۔ میں نے کہا امی جان آپ کے بیٹے کا گھر ہے یہ تو آپ کا اپنا ہے اس قدر پیارا قہقہہ

لگایا بہت خوش ہوئیں۔ چھوٹی چھوٹی بات کو محسوس کرتیں ایک دفعہ کہنے لگیں تمہارا بھائی کوئی نہیں ہے تو رفیق تمہارا بھائی ہے حالانکہ مجھے اس کا احساس بھی نہ تھا۔ ایسی مشفق اور شکر گزار ہستیاں کم ہوتی ہیں۔ میں اب بھی ان کی کمی محسوس کرتی ہوں۔ تعلق انہوں نے اب بھی نہ چھوڑا۔ بعض موقعوں پر خواب میں آ کے تسلی یا راہنمائی بھی کر دیتی ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے آمین۔ (ذاتی تحریر)

''میری امی جان'' صاحبزادہ مرزا رفیق احمد صاحب

آہ جن کی پل بھر کی جدائی میرے لئے ناقابل برداشت ہوتی تھی آج وہ مجھے تنہا چھوڑ گئیں۔ میری محبوب ترین ہستی یعنی میری امی جان نے جمعرات کی شام کو انتہائی سکون کے ساتھ اپنی جان کو مولائے حقیقی کے قدموں میں رکھ دیا۔ میرے لئے اپنے جذبات کو الفاظ میں ادا کرنا ناممکن ہے۔ میں آپ کے اوصاف حمیدہ وقربانی و ایثار، خلوص، شفقت، محبت، خدمت دین کا جذبہ، صبر و ہمت اور سادگی کے متعلق کچھ لکھنا چاہتا ہوں تاکہ احباب جماعت میں اس ذریعہ سے دُعا کی تحریک ہو اور اس عظیم شخصیت کو خدا تعالیٰ اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

حضرت سیدہ ام ناصر حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں۔ آپ کا نام رشیدہ تھا۔ لیکن حضرت اماں جان حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے نام کی نسبت سے محمودہ کہنے لگیں اور آخر وقت تک اسی نام سے پکارتی رہیں۔ یہی وجہ تھی کہ خاندان حضرت مسیح موعود میں سب آپ کا نام محمودہ ہی جانتے تھے۔ چونکہ آپ حضرت اماں جان کے بعد گھر میں سب سے بڑی تھیں اس لئے آپ کو نام سے کوئی نہیں پکارتا تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے آپ کے احترام کی خاطر کبھی نام لے کر نہیں پکارا بلکہ ''ناصر کی اماں'' کہتے تھے۔ میں چونکہ بچپن سے آپ کے ساتھ رہا اور ان کے بچوں میں سب سے چھوٹا ہوں اس لئے آپ کے قرب سے میں نے بہت فائدے اٹھائے نصیحتیں حاصل کیں دعائیں لیں۔ اسی وجہ سے جب کبھی فرصت کے لمحات ملتے تو آپ انتہائی دلچسپی سے پرانے واقعات سناتی تھیں۔

ایک دفعہ مجھے سنایا کہ حضرت اماں جان نے مجھے فرمایا تھا کہ آج سے تمہارا نام رشیدہ نہیں محمودہ ہے۔ اس کے بعد سے آپ محمودہ ہی رہیں دعا ہے کہ خدا تعالیٰ آخرت میں مقام بھی آپ کو نام کی نسبت سے ہی عطا کرے۔ آمین۔

حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب جب پہلی بار قادیان تشریف لائے تو آپ باوجود اجنبی ہونے کے جلد ہی اہل بیت سے گھل مل گئیں۔ آپ سناتی تھیں کہ حضرت اماں جان نے مجھے باورچی خانہ میں بٹھا دیا اور دودھ کا ایک گلاس اور ایک رس دیا اور اکثر ایسا ہوتا کہ باورچی خانہ میں آپ کو پیڑھی ملتی۔ اس کے بعد حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ اور دیگر افراد سے مل کر کھیلنا شروع کیا۔ جتنے دن قادیان میں رہیں وہ دن بڑی ہنسی خوشی سے گزارے جب دوبارہ حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب قادیان تشریف لائے تو حضرت مسیح موعود کی نظر انتخاب نے اپنی پہلی بہو کے طور پر آپ کو چُن لیا۔

حضور نے ڈاکٹر صاحب کو بلایا اور اپنی خواہش کا اظہار فرمایا ڈاکٹر صاحب کے لئے یہ بہت بڑا اعزاز تھا کہ ان کی بیٹی حضرت امام زماں کی اپنی خواہش پر ان کے بیٹے کے عقد میں آئے اس لئے آپ نے فرمایا جس طرح

حضور کی مرضی ہو مجھے بالکل انکار کی گنجائش نہیں۔ دوسرے رشتہ داروں نے مخالفت کی وہ گدی نشین اور رؤسا میں سے تھے احمدیت کے شدید مخالف تھے اور کسی دوسرے خاندان کو خاطر میں نہ لاتے تھے لیکن ان کی مخالفت کے باوجود حضرت خلیفہ رشید الدین صاحب نے اپنی بیٹی حضور کے قدموں میں لا ڈالی۔

اس طرح آپ کی شادی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ سے قرار پائی آپ اکثر سنایا کرتی تھیں کہ جب میں بیاہ کر قادیان آئی تو حضرت مسیح موعود سیڑھیوں میں کھڑے تھے۔ آپ نے انتہائی شفقت اور پیار سے مجھے دعائیں دیں۔

(الفضل ۷ اگست ۱۹۵۸ء)

’’آپ کے پہلے بیٹے نصیر احمد حضرت مسیح موعود کی زندگی میں ہی پیدا ہوئے اور آپ کی زندگی میں ہی فوت ہوگئے۔ آپ فرماتی ہیں کافی عرصہ تک میرے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تب میں نے رویا میں دیکھا کہ حضرت صاحب تشریف لائے ہیں (حضرت مسیح موعود کی وفات کے بعد) اور مجھے اشارہ سے قریب بلایا ہے اور اپنی جھولی سے مختلف قسم کے بہترین اور نہایت عمدہ پھل میری جھولی میں ڈال دیئے ہیں آپ فرماتیں کہ مجھے اُسی وقت خیال ہوا کہ خدا مجھے بے حد اولاد دے گا اور اسی طرح ہوا میں لطیفے کے طور پر دو باتیں لکھے دیتا ہوں نصیر احمد کی وفات کے بعد تقریباً نو سال تک کوئی بچہ نہ ہوا۔ اس کے بعد تو خدا نے اتنی اولاد دی کہ ایک دفعہ تقسیم ہند کے بعد جب کہ ہم لاہور آئے رات کو سونے کے لئے چارپائی تک نہ تھی اور اکثر بچے نیچے سویا کرتے تھے یا ایک چارپائی پر دو دو۔ اس وقت کی بات ہے میں نے کہا کہ امی جان کے سارے بچے زندہ رہتے وہ بھی جو چھوٹی عمر میں وفات پا گئے

تھے تو آج ہم ۱۸ یا ۱۹ ہوتے میرے ساتھ امۃ السلام بیگم بنت حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کا سب سے چھوٹا لڑکا کھڑا تھا وہ جھٹ سے بول اُٹھا ''فیر ایناں چار پائیاں کتھوں آندیاں'' (یعنی اتنی چار پائیاں کہاں سے آتیں)

(کتاب ''میری امی جان'' صفحہ ۳۰)

احمدیت اور قرآن سے محبت:

قرآن سے شغف تو کچھ وراثتی بھی تھا کیونکہ آپ کے والد دادا اور پردادا سب ہی قرآن کے حافظ تھے اور قرآن سے بے انتہا محبت رکھتے تھے لیکن حضرت صاحب کی محبت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا اسی لئے آپ کو قرآن سے غیر معمولی اُنس تھا مجھے یاد ہے کہ آپ کی آنکھیں بعض اوقات بے حد دُکھ جاتیں اور کئی کئی روز خراب رہتی تھیں مگر جب ذرا افاقہ ہوتا قرآن کریم پڑھنے بیٹھ جاتیں یا اگر خرابی طبیعت کے باعث نہ پڑھ سکتیں تو بار بار فرماتیں آج اتنے روز ہو گئے ہیں میں نے قرآن نہیں پڑھا یا مجھے کہتیں کہ تم سناؤ اکثر ایسا ہوا کہ جب میں قرآن پڑھنے بیٹھتا میری عادت ہے کہ میں اونچی آواز سے پڑھتا ہوں تو میری غلطیاں بھی دُرست کرتی جاتیں بلکہ بعض اوقات میرے غلط پڑھنے پر انہیں غصہ آ جاتا اور برہم ہوکر فرماتیں تمہیں قرآن بھی پڑھنا نہیں آتا میں چونکہ سب سے چھوٹا ہوں اس لئے کبھی کبھی یوں ہی چڑ کر کہہ دیتا امی جان آپ تو یونہی غلطیاں نکالتی ہیں ٹھیک ہی تو پڑھ رہا ہوں آپ فرماتیں نہیں میں تمہیں پڑھاؤں گی اور مجھے پڑھانے بیٹھ جاتیں۔ میرے بڑے بھائی مرزا حفیظ احمد صاحب کی آواز آپ کو بے حد پسند تھی اس لئے فرماتیں کہ میرا دل چاہتا ہے کہ اس سے قرآن سنا کروں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے جو بھی تفسیر لکھی اور شائع ہوئی آپ نے ہمیشہ

سب سے پہلے روپیہ جمع کر کے حاصل کر لی تا کہ قرآن کے خزائن سمٹ کر آپ کے پاس آ جائیں۔''

(کتاب ''میری امی جان'' صفحہ۳۲۔۳۳)

آپ خود بھی خدمت دین کرتیں اور سب کو اس کی تلقین بھی کرتیں۔

امۃ القیوم صاحبہ اہلیہ مولوی محمد صدیق صاحب مبلغ نائیجریا نے لکھا کہ میں نائیجریا آ کر اداس ہوں تو آپ نے انہیں جواب میں لکھا ''تم دل لگا کر دین کی خدمت کرو۔ وہاں لجنہ اماء اللہ قائم کرو اور ان کو اسلام اور احمدیت کی تعلیم دو جب انسان کسی کام میں لگ جائے پھر اداس بھی نہیں ہوتا آہستہ آہستہ ہر چیز موافق آ جاتی ہے۔ نئی چیز سے انسان گھبراتا ہے جب ماحول بدل جائے پھر برداشت کرنا ہی ہوتا ہے گھبراؤ نہیں اور دعاؤں سے کام لو انشاء اللہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ اور بچوں کا بھی خیال رکھو اور ان کو اداس نہ ہونے دو جب وہ ہر وقت اسلام کی باتیں سنیں گے اور ان کا بھی دل لگ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ تم سب کا حافظ و ناصر ہو۔ مولوی صاحب کو میرا سلام کہنا۔ خدا حافظ'' ام ناصر صاحبہ ڈاکٹر فیض علی صاحب کے لڑکے حمید احمد صاحب کے رخصتانہ پر گئیں وہاں ان کے سب سے چھوٹے صاحبزادے رشید احمد صاحب نے کہا تھا کہ کچھ پیغام ٹیپ ریکارڈر میں بھر دیں اس درخواست پر آپ نے ایک پیغام کی صورت میں فرمایا

''خدا تعالیٰ قرآنِ شریف میں فرماتا ہے ''الیس اللہ بکاف عبدہ''

کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے کافی نہیں ہے اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ انسان مشکلات، مصائب اور تکالیف میں گھبرا کر کسی سہارے کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتا ہے خدا فرماتا ہے تم کیوں انسانی سہاروں کو

اطمینان نفس اور سکونِ قلب کے لئے ڈھونڈتے ہو جبکہ میں موجود ہوں میں تمہاری ہرقسم کی مدد کر سکتا ہوں اور میں تمہاری مشکلات کو دُور کر سکتا ہوں۔ سیدنا حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں:

مشکلیں کیا چیز ہیں مشکل کشا کے سامنے

پس انسان گناہوں کا پتلا ہے اُس کے مقابلہ پر خدا بڑا ہی غفار اور ستار ہے اُسے چاہیے اپنی کوتاہیوں غلطیوں اور گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے خدا کی چوکھٹ پر جھکے اور اس کی مدد چاہے خدا اس کا سہارا ہو جائے گا اور اس کی ناؤ طوفانی تھپیڑوں سے بچتی ہوئی ساحل مراد پر جا لگے گی اللہ تعالیٰ آپ سب کے ساتھ ہو۔''

(کتاب ''میری امی جان'' صفحہ ۳۸)

دُعاؤں میں اثر:

سیدہ ام ناصر احمد صاحب کی دعاؤں میں بھی غیر معمولی اثر دیکھا ہے بسا اوقات حیرت ہوتی تھی۔ ایک دفعہ آپ کی ایک داڑھ میں شدید درد تھا آرام نہیں آ رہا تھا آپ نے دوائی چھوڑ کر اپنا ہاتھ داڑھ پر رکھا اور الحمد اللہ پڑھ کر دم کرنا شروع کیا چند منٹ میں سب درد اور بے چینی جاتی رہی۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ ایک عورت آپ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ امی جان میرے ہاں دس سال ہو گئے ہیں کوئی اولاد نہیں آپ دُعا کریں اولاد ہو جائے آپ نے کہا فکر نہ کرو انشاء اللہ میں دعا کروں گی ڈیڑھ سال بعد میں سکول سے پڑھ کر واپس آیا دوپہر کا وقت تھا شدید بھوک لگ رہی تھی۔ میں نے آتے ہی کچھ چیز مانگی کھانے کے لئے آپ نے مجھے کہا نعمت خانے سے مٹھائی کھا لو۔ میں نے کہا یہ کہاں سے آئی فرمانے لگیں تمہیں یاد ہو گا دیر ہوئی

ایک عورت آئی تھی کہ دُعا کریں میرے اولاد نہیں خدا نے اسے بچہ دیا ہے وہ میرے لئے یہ مٹھائی لائی ہے اور نام بھی پوچھ رہی ہے کہ کیا رکھوں وہ کہتی ہے خدا تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرما کر اولاد دی ہے اب آپ ہی اس کا نام تجویز کریں مجھے اچھی طرح یاد ہے وہ عورت باہر برآمدے میں ہی بیٹھی رہی اُس وقت تک نہیں گئی جب تک آپ نے اس کا نام تجویز نہیں کر دیا۔ میری پھوپھی جان نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ ایک دفعہ آنکھوں کے دُکھنے کی وجہ سے بڑی بیمار ہو گئیں آپ نے مری امی کو دُعا کے لئے لکھا اور دم کے لئے کہا۔ امی نے دم کیا خدا کے فضل سے بالکل آرام ہو گیا۔

پھوپھی جان لکھتی ہیں ''پرسوں آپ کا خط ملا اور بے حد خوشی ہوئی واقعی دل کو دل سے راہ ہوتی ہے میرے دل میں بار بار خدائی تحریک تھی کہ آپ کو دعا کے لئے خط لکھوں بلکہ ایک دن تو رات کو آنکھ کھل کر یہ خیال بندھ گیا اور پھر آپ لکھتی ہیں کہ آپ کو خود بخود میرے لئے دعا کی توجہ پیدا ہوئی واقعی یہ خدا کا تصرف ہوتا ہے جس سے چاہتا ہے دعا کروا لیتا ہے میری آنکھوں کو بفضل تعالیٰ آپ کے دم سے نمایاں فرق ہے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء''

آپ بڑے بڑے کام جو میں بھی نہ کر سکوں وہ خوشی سے اور سلجھے انداز سے کرتی چلی جاتیں۔ کبھی گھر کی صفائی ہو رہی ہے اور کوئی بوجھل چیز ہو تو خود اٹھانے کی کوشش کرتیں۔ میں کہتا امی جان مجھ سے تو اٹھتا نہیں آپ خواہ مخواہ اٹھا رہی ہیں مگر بشاشت سے کہہ دیتیں اچھا اگر تم سے بھی اُٹھتا نہیں تو رہنے دیتی ہوں۔

کئی دفعہ ایسا ہوا کہ گرمیوں میں میری آنکھ کھلی چونکہ گرمیوں میں باہر سوتے ہیں اور بسا اوقات گھر میں سوائے میرے اور امی جان کے کوئی

نہیں ہوتا تھا حضور بھی باہر تشریف لے جاتے تو کیا دیکھتا کہ آپ ہاتھ میں میری ہاکی یا سوٹی پکڑے پھر رہی ہیں میں کہتا یہ کیا؟ فرماتیں آج سوتے ہوئے دروازے نہیں دیکھے میں نے کہا اُٹھ کر دیکھ لوں۔ آپ کو اکثر دائیں ٹانگ میں شدید درد ہوتی تھی بعض دفعہ سردیوں میں بھی شدتِ درد سے پسینہ آ جاتا تھا مگر گھر کا سارا کام خود کرتیں۔

(کتاب ''میری امی جان'' صفحہ۴۲ تا ۴۴)

آپ بہت بھولی اور سادہ طبیعت کی تھیں کسی کو کوئی تکلیف زبان سے یا عمل سے نہیں دیتی تھیں بلکہ اس کو گناہ سمجھتی تھیں بلکہ اگر کسی کی بات یا فعل سے تکلیف پہنچتی تو اس کا اظہار بھی نہ کرتیں سب سے حسن سلوک کرتیں مگر کبھی اس کا بدلہ نہ چاہا۔ آپ بے حد صابرہ تھیں بیماری کے دوران میں جبکہ آپ کو سخت تکلیف تھی بات کرنا دشوار تھا بخار کی شدت تھی اور سانس کی انتہائی تکلیف کا یہ عالم تھا کہ قریب بیٹھنے والے گھبرا اُٹھتے تھے مگر آپ نے کبھی اُف یا ہائے تک نہیں کی۔ جب موت کی کیفیت آپ پر طاری ہوئی اور سانس تیز تیز آنے لگا تو پھر بھی گھبراہٹ یا بے چینی کا ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالا اور نہ ہی اعضاء کی حرکت سے یہ ظاہر ہونے دیا کہ آپ کو تکلیف ہو رہی ہے۔ انتہائی سکون سے آپ نے اپنی جان اپنے رب کو سونپ دی۔ وفات کے وقت چہرہ پر نور کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں مسکراہٹ تھی اور یوں لگتا تھا جیسے کوئی بچہ ہنستے ہنستے گہری نیند سو گیا ہے۔

جس نے بھی دیکھا اسے یہ گمان نہ گزرا تھا کہ یہ نعش پڑی ہے بلکہ جیسے کوئی انتہائی خوشی حاصل کرنے کے بعد اطمینان سے سو رہا ہو۔ یہ کیفیت تھی جیسے دنیا والوں کو مسکرا کر کہہ رہی ہوں تم کہاں رہتے ہو اصل سکون تو

بہشت میں ہے۔

جب آپ کی وفات کا وقت آیا اس وقت چند بدلیاں مری کی فضاء میں نکلیں اور ہلکی ہلکی پھوار پڑنے لگی۔ جو خدا کی رحمت کی بارش کر رہی تھیں۔

آپ مسلسل دو سال سے اپنی وفات کی خوابیں دیکھ رہی تھیں مجھے آپ اپنی تقریباً ہر خواب سناتی تھیں جس سے مجھے بڑی فکر ہوتی تھی پھر میں نے بھی آپ کی بیماری کے دوران میں ایک ایسی خواب دیکھی جو وفات ظاہر کر رہی تھی۔ اس خواب کا ذکر میں نے مکرم ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب سے آپ کی بیماری کے دوران کیا۔۔۔۔ اس سے قبل حضرت بھائی جان مرزا ناصر احمد صاحب نے آپ کی وفات کے متعلق خواب دیکھا۔ چنانچہ ہم بھائیوں بہنوں نے بکرے صدقے کیئے۔۔۔۔''

راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تیری رضا ہو

سبزۂ نورستہ تیرے در کی دربانی کرے
آسمان تیری لحد پر گوہر افشانی کرے

آمین

(کتاب ''میری امی جان'' صفحہ ۷۴۔۷۵)

خلیفہ صباح الدین صاحب جو خلیفہ رشید الدین صاحب کے پوتے ہیں اپنی پھوپھی حضرت ام ناصر صاحبہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ میرے دادا میری پھوپھی کی کتنی عزت وتکریم کرتے تھے وہ لکھتے ہیں کہ ہمارے والد خلیفہ صلاح الدین مرحوم ذکر کیا کرتے تھے۔ انہوں نے جب ہوش سنبھالا تو دیکھا کہ ان کے والد حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم کی نگاہ میں اپنی بیٹی سیدہ محمودہ بیگم صاحبہ (حرم حضرت مصلح موعود یعنی حضرت خلیفہ المسیح الثالث

کی والدہ ماجدہ جو حضرت ام ناصر کے نام سے معروف تھیں) کی بہت قدر و منزلت تھی وہ گھر تشریف لاتیں تو کھڑے ہو کر دروازے پر ان کا استقبال کرتے چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھتے۔ باوجود بیٹی ہونے کے عزت سے بلاتے اور ان کی ہر خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کرتے۔ یہاں تک کہ قادیان سے باہر جب جانا ہوتا تو مل کر اور کسی چیز کا منگوانے کا پوچھ کر جاتے اور واپسی پر بھی پہلے اپنی بیٹی کے گھر جاتے۔

ہمارے والد بتایا کرتے تھے کہ ان کا احترام اسی لئے تھا کہ خدا نے ان کو ایک عظیم شخص حضرت مصلح موعود کی حرم اول ہونے کا شرف عطا فرمایا۔ اپنے داماد حضرت خلیفہ المسیح الثانی کی تو وہ بے انتہا عزت اور قدر کرتے تھے۔

(الفضل ۷ اپریل ۲۰۰۰ء)

صاحبزادی امۃ العزیز بیگم صاحبہ تحریر کرتی ہیں۔ ایک مرتبہ آپ کے چچا زاد بھائی خلیفہ شجاع الدین صاحب جو پنجاب اسمبلی کے اسپیکر تھے ربوہ آئے اور امی کو پیغام بھجا کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ آپ نے جواب بھجوایا کہ آپ ہماری جماعت کو بُرا کہتے ہیں میرے میاں کو گالیاں دیتے ہیں۔ آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں میں آپ سے ملنا نہیں چاہتی۔ پھر انہوں نے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب سے کہا کہ میں حضرت خلیفۃ المسیح سے ملنا چاہتا ہوں۔ حضور نے ملاقات کی اور امی جان کو کہلا بھیجا کہ خلیفہ شجاع الدین صاحب کے لئے دوپہر کا کھانا تیار کرو چنانچہ امی جان نے کھانا تیار کیا۔ بعد میں امی جان نے حضور سے کہا میں تو ملاقات سے انکار کر چکی تھی اور آپ نے کھانا بھی کھلایا۔ حضور نے فرمایا وہ اس وقت ہمارے مہمان تھے۔

آخری بیماری اور وفات

میری پیاری امی جان
ازمحترم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب

آخری علالت :

سیدہ ام ناصر یعنی میری امی جان اٹھارہ جولائی ۱۹۵۸ء قبل دوپہر مری میں عزیزان مرزا اظہر احمد اور مرزا رفیق احمد کو ساتھ لے کر اپنی والدہ محترمہ یعنی ہماری نانی جان کو ملنے کے لئے اپنی کوٹھی کانسٹیشیاء سے موٹر میں سوار ہوکر ان کے مکان واقعہ پنڈی پوائنٹ گئیں۔ موٹر چونکہ صرف ایجنسی تک جاتی تھی لہذا باقی حصہ امی جان نے باوجود (ان دونوں عزیزان کے اصرار کہ رکشا میں سوار ہو جائیں) پیدل طے کیا۔ اور جب نانی جان سے مل کر واپس اپنے مکان پر آئیں تو بعد دوپہر شدید لرزہ سے بخار ہو گیا جو شام تک ۱۰۴ درجہ تک چلا گیا اس دن میں ربوہ میں تھا۔

مکرم ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب نے Bronchites تشخیص کر کے اس کے مطابق دوائیں دیں۔ مگر جب اگلے دن بھی بخار نہیں اُترا تو حضور نے سول سرجن مری کو بلا کر دکھایا اور انہوں نے ملیریا تشخیص کر کے ادویہ تجویز کیں۔ امی جان کے بخار کی وجہ سے حضرت صاحب نے اُن کا جولائی کو جابہ جانے کا پروگرام ملتوی کر دیا اور مجھے ٹیلیفون پر ہدایت فرمائی کہ

جلد مری پہنچ جاؤ۔ چنانچہ میں بیس جولائی صبح لاہور سے اپنی چھوٹی ہمشیرہ امۃ العزیز کو ساتھ لے کر مری روانہ ہو گیا اور ساڑھے بارہ بجے بعد دوپہر مری پہنچ گیا۔

حضور ڈاکٹروں کے تسلی دلانے سے کہ ملیریا بخار ہے ایک دو روز تک اُتر جائے گا بیس جولائی صبح سوا آٹھ بجے جابہ تشریف لے گئے۔

مرض کی تشخیص اور علاج

میں نے مری پہنچ کر امی جان کا معائنہ کیا تو مجھے سینہ پر کافی اثر معلوم ہوا۔ کھانسی سخت تھی نیز دل پر بھی بیماری کا حملہ معلوم ہوا چنانچہ اس کے مطابق ادویہ شروع کر دی گئیں۔ اگلے روز صبح میں نے پھر سول سرجن صاحب کو بلا کر امی جان کو دکھا کر مشورہ کیا جس پر انہوں نے میری رائے سے اتفاق کرتے ہوئے ادویہ جاری رکھنے کی ہدایت دی۔ اسی دن سالمی سینی ٹوریم سے خون کے معائنہ کا بھی انتظام کیا گیا۔

مرض میں اضافہ

میرے مری پہنچے کے تین چار دن تک بخار یکساں ۱۰۲ سے ۱۰۴ تک رہا اور میری تشویش بڑھتی گئی کہ باوجود پوری کوشش سے علاج کے مرض میں کمی کی بجائے زیادتی ہو رہی ہے چنانچہ تنفس میں تیزی پیدا ہو گئی جس کے پیش نظر فوری طور پر راولپنڈی سے آکسیجن گیس کے سلنڈر منگوا کر امی جان کو آکسیجن بھی دینی شروع کر دی۔ چوبیس تاریخ کو مری کے نئے سول سرجن صاحب کو بُلا کر دکھایا گیا۔ انہوں نے دیکھ کر کہا کہ سینے پر زیادہ اثر ہے لہذا کھانسی کے لئے کچھ مزید ادویہ تجویز کیں جو شروع کر دی گئیں۔

پچیس تاریخ صبح امی جان کی طبیعت کچھ بہتر ہو گئی تھی اور بخار

۹۸ء۶ تک آ گیا تھا جس سے دل کو کچھ تسلی ہو گئی مگر پھر شام کو بخار ۹۹ء۸ تک چلا گیا اور اس کے بعد آخر تک بخار ۱۰۰ سے اوپر ہی رہا۔

انتیس تاریخ کو سینہ و دل کی بیماریوں کے ماہر سرجن کرنل شوکت حسین صاحب کو بلا کر امی جان کو دکھایا۔ انہوں نے دیکھ کر کہا کہ بیماری کا اثر دل پر بہت زیادہ پڑ چکا ہے۔ Congestive Heart Failure پورے طور پر شروع ہو چکا ہے لہذا اس کی ادویہ جو پہلے بھی دی جا رہی تھیں زیادہ مقدار میں شروع کر دی جائیں۔

ستائیس تاریخ سے امی جان کے منہ معدہ اور انتڑیوں میں چھالے بھی نکل آئے جو میرے لئے باعث تشویش ہو رہے تھے۔ اسی طرح دو دن قبض اور پھر ایک دن بہت سے اسہال کا چکر شروع ہو گیا جس سے امی جان مضمحل ہوتی چلی جاتی تھیں تیس جولائی دوپہر کے وقت ڈاکٹر پیرزادہ محمد اسلم صاحب امی جان کو دیکھنے مری پہنچے ان کو صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب نے بھجوایا تھا اور ڈاکٹر پیرزادہ صاحب نے آتے ہی امی جان کو دیکھا اور ادویہ تجویز کیں جن میں سے دو دوائیں مری میں نہ مل سکیں راولپنڈی فون کیا تو وہاں بھی نہ مل سکیں۔ چنانچہ لاہور فون کیا جہاں سے میاں مظفر احمد صاحب نے خرید کر اگلے روز صبح ہی بھجوانے کا انتظام کر دیا مگر وہ وفات کے بعد ہی پہنچ سکیں۔

سانس کی تکلیف میں اضافہ

تیس تاریخ بعد دوپہر امی جان کو سانس کی تنگی بہت بڑھ گئی اور تمام عوارض سرعت کے ساتھ بڑھتے چلے گئے شام کو ڈاکٹر پیرزادہ صاحب نے پھر دیکھا اور حالت دیکھ کر ان کو بھی تشویش ہوئی یہ رات بھی بہت تکلیف میں

گزری۔

آخری دن

اکتیس جولائی صبح سویرے میں امی جان کے پاس گیا تو مجھے فرمانے لگیں کہ رات اجابت ٹھیک طرح نہیں آئی نرس سے کہو کہ مجھے کموڈ پر بٹھا دے (آہ مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ میری امی جان کے آخری الفاظ تھے جو انہوں نے مجھے کہے میں نے کہا کہ آپ کی طبیعت بہت کمزور ہے میں نے نرس کو ہدایت دی کہ احتیاط سے بیڈ پین پر اجابت کروا دے یہ کہہ کر میں نے نرس کو ہدایت دی اور چھوٹی ہمشیرہ امۃ العزیز کو بُلا کر لایا کہ امی جان کو تھوڑا سا ہارلکس دے دو تا کہ بعد میں میں دل کی دوائی دے سکوں۔ اس کے بعد میں اپنے کمرے میں آ کر انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد امۃ العزیز گھبرائی ہوئی میرے پاس آئیں کہ جلدی چلیں امی جان کو کچھ ہو گیا ہے۔ میں فوراً بھاگ کر امی جان کے کمرے میں گیا (جو میرے کمرے کے ساتھ ہی تھا) تو وہ چیز دیکھی جس کو دیکھنے کے لئے میرا دل تیار نہ تھا۔ یعنی امی جان کا سانس رُک چکا تھا۔ میں نے بھاگ کر مصنوعی سانس دلانے کی کوشش کی اور عزیزہ امۃ العزیز سے کہا کہ فوراً مکرم ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب کو بلا لاؤ اور باقی سب کو بھی بلا لاؤ۔

میں مصنوعی سانس دلانے کی کوشش کرتا رہا۔ میرے ہاتھوں میں ایک دو دفعہ امی جان کو جھٹکے سے کھینچ کر لمبا سانس آیا۔ اس اثناء میں عزیزان اظہر وغیرہ سب آ گئے اور میں عزیز اظہر احمد اور عزیز حنیف احمد باری باری مصنوعی سانس دلاتے رہے۔ مکرم ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب بھی فوراً آ گئے۔

انہوں نے ٹیکے تیار کئے اور میں نے چار پانچ ٹیکے کئے حتیٰ کہ دل

کے اندر بھی دو ٹیکے کیئے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری امی جان کو بلاوا آ چکا تھا اور یہ مادرمہربان ہم بچوں کو روتا چھوڑ کر اور اپنی شفقت اورمحبت کو اس جہاں سے سمیٹ کر اپنے مولائے حقیقی کے حضور پہنچ چکی تھیں

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

جب میں نے مصنوعی سانس دلانے کی کوشش شروع کی اس وقت اندازاً پانچ بج کر پینتیس منٹ تھے اور تقریباً پچیس منٹ تک ہم نے مصنوعی سانس دلانے کی کوشش کی۔

صحت کے متعلق اطلاعات

بیس جولائی مری پہنچنے کے بعد سے وفات تک میں باقاعدہ ٹیلیفون کے ذریعے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کو امی جان کی حالت کے متعلق اطلاعات بھجواتا رہا ہوں۔ میں ربوہ فون کرتا تھا جہاں سے آدمی اطلاع لے کر جابہ جاتا تھا۔ میں یہ اطلاعات مکرم اختر صاحب کو بھجواتا تھا اور ساتھ ہی ان کو ہدایت بھی کر دیتا تھا کہ الفضل میں خاص طور پر دعا کے لیے تحریک کر دیں۔

مری میں امی جان کے پاس ان کے بچوں میں سے میاں مبارک احمد، خاکسار منور احمد، عزیزان انور احمد اور مرزا اظہر احمد، مرزا رفیق احمد اور عزیزہ امۃ العزیز صاحبہ تھیں۔ میاں ناصر احمد صاحب ہمشیرہ ناصرہ بیگم اور عزیزم حفیظ احمد اکتیس جولائی کو صبح پہنچ رہے تھے مگر ان کے پہنچنے سے قبل امی جان اللہ کو پیاری ہو گئیں۔

حضور ایدہ اللہ کی روانگی

امی جان کی خطرناک حالت کے پیش نظر اکتیس کی صبح جابہ سے مری کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ مگر حضور امی جان کی وفات کے بعد ہی مری پہنچ

سکے امی جان کو حضور کا بہت انتظار تھا اور کئی بار پوچھ بھی چکی تھیں مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

وفات کے بعد فوری طور پر تمام بزرگوں اور عزیزوں کو اس سانحہ کی اطلاع ٹیلی فون و تار کے ذریعے کر دی گئی اس طرح راولپنڈی کی جماعت کو فون پر ہدایت کر دی گئی کہ جب حضور راولپنڈی پہنچیں تو حضور کو اس کی اطلاع کر دی جائے۔

مری میں حضور کی آمد

حضور گیارہ بجے کے قریب مری پہنچے حضور کے ہمراہ میاں ناصر احمد و ہمشیرہ ناصرہ بیگم بھی پہنچ گئیں کوٹھی پہنچ کر حضور امی جان کے کمرہ میں تشریف لے گئے اور ان کے سرہانے کھڑے ہو کر اپنی پچپن سالہ شریک زندگی کے چہرے پر نظر ڈالی جو ایک دلربا مسکراہٹ کے ساتھ ابدی نیند سو رہی تھی انا للہ پڑھ کر دوسرے کمرے میں تشریف لے گئے اور مجھے فرمایا کہ تمہاری اماں نے کسی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ جس پر میں نے عرض کیا کہ صرف حضور کو ملنے کی شدید تڑپ تھی۔

تجہیز و تکفین

اس کے بعد حضور نے قبر وغیرہ تیار کرنے کی ہدایت فرمائی کہ ربوہ فون کر دیا جائے ساتھ ہی فرمایا غسل اور کفن مری ہی میں دیا جائے چنانچہ مولوی محمد اشرف صاحب ناصر مربی مری کفن تیار کروانے گئے اور پانی وغیرہ تیار کروا کر والدہ لیڈی ڈاکٹر غلام فاطمہ صاحبہ اور خوشدامنہ صاحب کیپٹن محمد سعید صاحب نے امی جان کو غسل دیا ان کے معاون کے طور پر سیدہ مہر آپا صاحبہ و سکینہ بی بی خادمہ سیدہ ام متین صاحبہ اور رشیدہ بی بی خادمہ عزیزہ امۃ

العزیز صاحبہ نے کام کیا۔ لیڈی ڈاکٹر غلام فاطمہ صاحبہ نے اس سلسلہ میں مناسب امداد کی۔ فجز اھم اللہ احسن الجزاء۔

اس طرح غسل اور کفن پہنانے کے بعد تقریباً سوا تین بجے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے حاضر خدام کے ساتھ جن میں مری کے کچھ دوست بھی شامل تھے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

مری سے روانگی

جنازہ کو ایک بس میں چارپائی پر رکھا گیا اور سب حاضر افراد خاندان و دیگر دوست حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی معیت میں جنازہ کو لے کر چار بجے کے قریب مری سے روانہ ہوئے اور چھ بجے کے قریب پنڈی پہنچے۔ راولپنڈی سے جنازہ کو دوسری بس میں منتقل کیا گیا اس طرح سامان و سواریاں دوسری بسوں میں منتقل ہوئیں اور سات بجے راولپنڈی سے روانہ ہوئے۔

راولپنڈی کی جماعت بھاری تعداد میں سڑک پر پیر انوار الدین صاحب کے مکان کے سامنے موجود تھی۔ جہاں شامیانے لگوا دیئے گئے تھے اور دوسری بسیں تیار تھیں تا کہ ہمارے لئے بسیں تبدیل کرنے میں سہولت رہے۔ ان دوستوں نے ہر طرح سے ہمارے آرام کا خیال رکھا۔ فجز اھم اللہ احسن الجزاء۔

راولپنڈی سے روانگی

سات بجے راولپنڈی سے روانہ ہو کر سوہاوا، چکوال، تلہ گنگ، جابہ اور خوشاب کے راستہ سے ہوتے ہوئے ہم لوگ تین بجے ربوہ کی حدود میں داخل ہوئے۔ جہاں ہزاروں مرد بچے اور عورتیں ہمارے انتظار میں رات بھر سے جاگ کر سڑک پر کھڑے تھے۔ فجز اھم اللہ احسن الجزاء۔

ہماری تمنا

یہ میری امی جان کی بیماری کے مختصر سے حالات ہیں ہاں اس بیماری کے حالات جس نے ہم سے ایک بے حد پیار کرنے والی ماں کو ہمیشہ کے لئے چھین لیا وہ ماں جو ہماری ذرہ بھر تکلیف سے بے چین ہو جایا کرتی تھی اور اپنی شفقت کا ہاتھ ہمارے سر پر پھیر کر ہمیں دلاسے دیا کرتی تھی جو اپنی شبانہ روز دعاؤں سے ہماری مشکلات کے ازالہ کی کوشش کیا کرتی تھی آج ہم سے جدا ہو چکی ہے اور اب ہماری یہی تمنا ہے کہ ہمارا رب جو قادر مطلق ہے خود اپنے فضل سے ہمارا نگہبان ہو اور ہماری ماں کی برکات کو ہمارے لئے جاری رکھے اور خود ہمارے مغموم اور زخمی دلوں پر مرہم لگائے کیونکہ

بلانے والا ہے سب سے پیارا
اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

ربوہ سے امی جان کی روانگی

میرا دل اس وجہ سے اور بھی مجروح ہے کہ چودہ مئی ۱۹۵۸ء کو میں ہی اپنی امی جان کو مری لے گیا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ میں جو اپنی امی جان کو۔۔۔۔ اچھی صحت والی حالت میں لے کر ابا جان کے پاس جا رہا ہوں ان کے جنازہ کو لے کر ربوہ واپس آؤں گا۔ چودہ مئی کا دن بھی بے حد خوفناک تھا۔ جب کہ ربوہ میں شدید قسم کی سرخ اور رنگین خونی آندھی تمام دن چلتی رہی شاید یہ دن بھی اس بات کی تنبیہ کر رہا تھا کہ ہمارا آج کا سفر نہایت تکلیف دہ انجام پر ختم ہو گا۔ امی جان کو ہم بچوں سے بے حد پیار تھا۔ جو شاید ہی کسی ماں کو ہو۔ اور ہم میں سے ہر ایک یہی خیال کرتا تھا کہ امی کو اس سے سب سے زیادہ پیار ہے۔ ایسی پیار کرنے والی ہستی کا بدل اس جہاں میں

ملنا ناممکن ہے اور ہمارے لئے اس خلاء کا پُر ہونا محض مجنونانہ خیال ہے ہاں انسانوں سے بالا ہمارے رب کی ایسی ہستی ہے جو یقیناً ماں سے بھی کہیں زیادہ مشفق اور پیار کرنے والی ہے اور ہمیں یقین ہے کہ وہ ضرور اپنی محبت کی چادر میں ہمیں لپیٹ لے گا اور ہر گھڑی ہمارا حافظ و ناصر ہو گا۔

آمین یا رب العالمین

غمزدہ مرزا منور احمد

الفضل ۱۲ اگست ۱۹۵۸ء

حضرت سیدہ امِ ناصر صاحبہ کی وفات کے متعلق ریڈیو پاکستان کی نشر کردہ اطلاع

لاہور ۳۱ جولائی آج شام کو ۵ بجکر ۲۰ منٹ پر ریڈیو پاکستان لاہور نے حضرت سیدہ ام ناصر صاحبہ مرحومہ کی وفات کے متعلق حسبِ ذیل الفاظ میں خبر نشر کی۔

''جماعت احمدیہ کے امام جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد کی پہلی بیوی سیدہ ام ناصر کا آج مری میں انتقال ہوگیا ان کی عمر ۶۷ سال تھی۔ نماز جنازہ کل صبح ربوہ میں ادا کی جائے گی۔''

بعد میں رات کو ۸ بجے ریڈیو پاکستان کراچی سے اردو اور انگریزی میں بھی یہی اطلاع نشر ہوئی۔

(بحوالہ اخبار الفضل ۲ اگست ۱۹۵۸ء)

ربوہ یکم اگست آج بروز جمعۃ المبارک صبح سوا آٹھ بجے ہزار ہا احباب جماعت کی نمناک آنکھوں غمزدہ قلوب اور پُرسوز اجتماعی دعاؤں کے درمیان حرم اول سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ حضرت سیدہ امِ

ناصر محمودہ بیگم صاحبہ کو حضرت اماں جان نور اللہ مرقدھا کے قریب سُپرد خاک کر دیا گیا۔ آپ نے کل مورخہ ۳۱ جولائی ۱۹۵۸ء کو چھ بجے صبح مری میں وفات پائی تھی۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

نماز جنازہ آج صبح سوا سات بجے سیدنا حضرت خلیفہ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے پڑھائی۔ جس میں ربوہ مضافات اور دور نزدیک مقامات سے آئے ہوئے ہزار ہا احباب جماعت نے شرکت کی۔

(الفضل ۲ اگست ۱۹۵۸ء)

عظیم صدمہ

الفضل نے اداریہ لکھا:

حضرت سیدہ ام ناصر کی وفات تمام جماعت کے لئے بالعموم اور خاندان حضرت مسیح موعود کے لئے بالخصوص ایک عظیم صدمہ ہے۔ حضرت اماں جان کے بعد آپ کا وجودِ باجود قوم کے لیے ایک بہت بڑا سہارا تھا۔ آپ کے اوصاف حمیدہ کی یاد احمدی خواتین کے دلوں سے کبھی نہیں نکل سکے گی۔ اور جو بہن بھی سنے گی کہ آج ان کی دلی ہمدرد اور بہترین صلاح کار دنیا سے کوچ کرگئی ہے۔ وہ یقیناً تڑپ اُٹھے گی۔ آپ نہ صرف اپنے لائق اور ہونہار بچوں کی شفیق ماں تھیں بلکہ ساری قوم کے بچوں کی حقیقی معنوں میں ''مادر مہربان'' تھیں۔

آپ صبر و ہمت کا ایک قابلِ تقلید نمونہ تھیں اور آپ جس طرح سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی سب سے پہلی رفیقہ حیات تھیں۔ اسی طرح آپ ہی کا وہ وجود ہے جس نے صاحبزادہ مرزا ناصر احمد سلمہ اللہ،

صاحبزادہ میاں مبارک احمد سلمہ اللہ اور صاحبزادہ میاں منور سلمہ اللہ جیسے فرزندان ارجمند قوم کو عطا کیئے۔ جو اپنے بچپن کے زمانے سے ہی قوم کی بہترین خدمات بجا لا رہے ہیں۔

بے شک جماعت کو آپ کی وفات سے بہت صدمہ پہنچا ہے لیکن اس تمام صدمہ کا ہر طرح سے مرکز سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جن کی زندگی میں آپ سب سے پہلے داخل ہوئیں اور اپنی وفات تک بہترین رفیق بنی رہیں۔

(الفضل، ۲ اگست ۱۹۵۸ء)

آپ کی خصوصیات

1- حضرت سیدہ ام ناصر کو سب سے بڑا اعزاز یہ حاصل ہے کہ آپ حضرت مسیح موعود کی زندگی میں شادی ہو کر دارِ مسیح میں آئیں اور حضرت اماں جان کے بعد باہر سے آنے والی دوسری ''خاتونِ مبارکہ'' بنیں۔

2- آپ کو قریباً چھ سال حضرت مسیح موعود کی خدمت کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت مسیح موعود کو بہت قریب سے دیکھا۔ آپ کی باتیں سنیں اور یاد رکھیں اور آپ سے تربیت حاصل کی۔

3- حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی ازواج میں صرف آپ کو حضور کی چھپن (۵۶) سال رفاقت اور خدمت کی توفیق ملی۔

4- آپ کے بطن سے خدا تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود کو سب سے زیادہ اولاد عطا فرمائی۔ جو حضرت مسیح موعود کی مبارک اولاد ہے۔

5- آپ کے ذریعے حضرت مسیح موعود کے متعدد الہامات پورے ہوئے۔
(i) حضرت مسیح موعود کی زندگی میں تریٰ نسلاً بعیدا کے مطابق آپ کے پہلے صاحبزادے مرزا نصیر احمد پیدا ہوئے۔
(ii) آپ کے ذریعے ہی نافلہ موعود کی پیشگوئی پوری ہوئی جس کے بارے میں حضور موہب الرحمٰن کے حوالے سے حقیقۃ الوحی میں فرماتے ہیں۔

''بیالیسواں نشان یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے نافلہ کے طور پر پانچویں لڑکے کا وعدہ کیا تھا یعنی **وبشرنی بخامس فی حین من الاحیان** یعنی پانچواں لڑکا جو چار کے علاوہ بطور نافلہ پیدا ہونے والا تھا اس کی خدا تعالیٰ نے مجھے بشارت دی کہ وہ کسی وقت ضرور پیدا ہو گا اور اس کے علاوہ ایک اور الہام بھی ہوا کہ **انا نبشرک بغلام نافلة لک نافلة من عندی** یعنی ہم ایک اورلڑکے کی تجھے بشارت دیتے ہیں کہ جو نافلہ ہو گا یعنی لڑکے کا لڑکا یہ نافلہ ہماری طرف سے ہے۔''

(حقیقة الوحی صفحہ ۲۱۸۔۲۱۹)

6- اور پھر اس نافلہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کو ۱۹۶۵ء میں قبا ِخلافت پہنائی گئی۔

7- اور پھر آپ کے ذریعے حضرت مسیح موعود کی پیشگوئی تری نسلاً بعیدا پوری ہوئی اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ اولاد عطا فرمائی جو دینِ حق کے نور کو دنیا میں پھیلا رہی ہے جن کی حضور نے بشارت دی تھی۔

8- آپ کے صاحبزادگان میں سے محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد

صاحب وکیل اعلیٰ تحریک جدید اور وکیل التبشیر کی حیثیت سے اعلیٰ خدمات بجا لاتے رہے۔

9- ڈاکٹر صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب فضل عمر ہسپتال کے چیف میڈیکل آفیسر ابتدا سے وفات تک رہے۔

10- صاحبزادہ مرزا انور احمد صاحب اور صاحبزادہ مرزا اظہر احمد صاحب کو سلسلے کی خدمات کی توفیق ملی۔

11- آپ کی بڑی صاحبزادی آپا ناصرہ بیگم صاحبہ کو قادیان میں بھی لجنہ کے کاموں کی توفیق ملی اور ربوہ میں لجنہ ربوہ کی صدر ایک لمبے عرصے تک رہیں۔ چھوٹی صاحبزادی آپا امۃ العزیز صاحبہ لجنہ لاہور کی صدر ایک لمبا عرصہ رہیں۔

حضرت اماں جان سے
حضرت ام ناصر کی کئی مشابہتیں

حضرت اماں جان سے ام ناصر صاحبہ کی کئی مشابہتیں تھیں۔

اول جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود کو بشیر اول کی بشارت دی اور وہ پیدا ہونے کے کچھ عرصہ بعد چھوٹی عمر میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ اسی طرح حضرت ام ناصر صاحبہ کے بطن سے سب سے پہلے صاجزادہ نصیر احمد پیدا ہوئے جو چھوٹی عمر میں فوت ہو گئے۔ اور عرصہ نو سال تک اللہ تعالیٰ نے سیدہ کے صبر و استقامت کا امتحان لیا۔ پھر آپ کو آپ کی ایک مبشر خواب کے ذریعے جس میں حضرت مسیح موعود نے آپ کی جھولی تر و تازہ پھلوں سے بھری۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبشر اولاد کی بشارت دی۔ جس کی خوشبو آج چار دانگ عالم میں پھیلی ہے۔

پس نصیر احمد کے بدلے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوسرے بیٹے حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث عطا کیے جو بشیر ثانی کی طرح طبعی عمر اور خلافت پانے والے ہوئے۔

دوسری مشابہت آپ کو حضرت اماں جان سے یہ ہے کہ جس طرح آپ اپنے رتبہ اور مقام کے لحاظ سے ساری جماعت کی پیاری ماں تھیں اور ساری جماعت آپ کو نہایت عزت و احترام اور کمال محبت سے حضرت اماں جان کہتی ہے۔ اسی طرح حضرت سیدہ ام ناصر صاحبہ بھی ساری جماعت کی

عزت و احترام کے ساتھ حضرت امی جان کے نام سے پکاری جاتی تھیں۔ اور آپ کو سب چھوٹے بڑے امی جان کہتے تھے۔ بلکہ ایک دفعہ جماعت کے ایک بزرگ جو بڑی عمر کے تھے آپ کو ملنے کے لئے آئے اور آپ کو امی جان کہہ کر مخاطب کیا تو بعد میں آپ مسکرا کر فرمانے لگیں کہ میں سب کی امی جان ہوں۔ (پردے کے پیچھے سے آپ مردوں سے بھی سلام دعا لے لیتی تھیں)

تیسری مشابہت یہ ہے کہ جس طرح حضرت اماں جان کی کنیت بشیر اول کی بجائے بشیر ثانی کے نام سے پڑی اور آپ ام محمود کہلائیں۔ اسی طرح حضرت امی جان کی کنیت بھی نصیر احمد کی بجائے ناصر احمد کے نام پر پڑی اور آپ حضرت امِ ناصر کہلائیں۔

چہارم۔ جس طرح بشیر ثانی کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی حالات میں خلافت عطا کی تھی اسی طرح حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے انتخاب کے وقت اپنے فرشتوں کی خاص مدد سے خلافت عطا کی۔ آپ کا زمانہ۔ زمانہ محمود ہی ثابت ہوا۔

پس یہ مشابہتیں اس امر کی نشاندہی کرتی ہیں کہ آپ بہت بلند مقام رکھتی تھیں۔

لجنہ اماء اللہ کی تعزیتی قرار داد

حضرت سیدہ ام ناصر صاحبہ کی وفات کے الم ناک حادثہ پر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ نے مندرجہ ذیل تعزیتی قرارداد پاس کی۔

لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کا یہ غیر معمولی اجلاس حضرت سیدہ امِ مرزا ناصر احمد صاحب حرم اول حضرت خلیفۃ المسیح الثانی صدر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کی وفات حسرت پرآیات پر گہرے رنج وغم اور دلی حزن و ملال کا اظہار کرتا ہے۔

حضرت سیدہ مرحومہ کا وجود خدا تعالیٰ کے نشانوں میں سے ایک نشان تھا۔ اور آپ کو کئی امتیازی شرف حاصل تھے۔ حضرت اماں جان اور حضرت مسیح موعود کی پہلی بہو اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی حرم اول تھیں۔

حضرت سیدہ مرحومہ بڑی سلجھی ہوئی طبیعت کی مالک تھیں۔ تقویٰ شعار با وقار تھیں اور سلسلہ کے لئے بڑھ چڑھ کر قربانی کرنے والی اور اسی طرح لجنہ اماء اللہ کے کاموں اور اجلاسوں میں باوجود آخری عمر میں ناسازی طبع اور کمزوری ہونے کے باقاعدگی کے ساتھ شامل ہوتی تھیں۔ تمام روحانی اور جسمانی عزیزوں کے ساتھ محبت اور شفقت کا سلوک روا رکھتی تھیں۔

نہایت درجہ رنج اس بات کا ہے کہ لجنہ مرکزیہ آپ کے مبارک وجود سے محروم ہو گئی۔ حضرت سیدہ مرحومہ کا انتقال ایک جماعتی صدمہ اور قومی نقصان ہے۔ ہم ممبرات لجنہ اماء اللہ مرکزیہ تمام خاندان حضرت مسیح موعود اور آپ کے صاحبزادگان، صاحبزادیوں سے گہری ہمدردی اور دلی تعزیت کا اظہار کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتی ہیں کہ وہ حضرت سیدہ کو جنت الفردوس میں بلند درجات عطا فرمائے۔ غمگین اور سوگوار قلوب کو آپ سہارا بخشے اور حضرت سیدہ مرحومہ کی وفات سے جو خلا لجنہ اماء اللہ مرکزیہ میں واقعہ ہوا اسے آپ اپنے فضل و کرم سے پُر فرمائے۔

آمین ثم آمین

(تاریخ لجنہ، جلد دوم صفحہ ۵۱۰)

تمام شہروں کی جماعتوں اور لجنات نے قرار داد تعزیت پیش کیں اور آپ کی صفات حسنہ کا ذکر کیا۔

اپنی امی کی یاد میں (ام ناصر کی یاد میں)

از صاحبزادی امۃ القدوس بیگم صاحبہ بنت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب

آج کیوں ہیں اس طرح دل سب کے غمگین و اداس
کیوں فضائے ربوہ پر چھائے ہیں یوں یاس و ہراس
گلشنِ ہستی پہ کیوں یہ غم کے بادل چھا گئے
کون رخصت ہو گیا ایسے کہ آنسو آ گئے
یہ زمیں مغموم ہے یہ آسماں افسردہ ہے
بات کیا ہے آج ہر خورد و کلاں آزردہ ہے
آج امی جان چل دیں ہم کو تنہا چھوڑ کے
گلشن عالم سے اپنے سارے رشتے توڑ کے
زوجیت سن ۳ میں پائی مصلح موعود کی
آپ ہی پہلی بہو تھیں مہدی مسعود کی
آئیں تھی سن ۳ میں بن کر اس گھر میں دلہن
بعد ۵۵ سال کے رخصت ہوئیں اوڑھے کفن
وہ جو گھبراتیں ہمیشہ شب کی تاریکی سے تھیں
آج وہ ہے قبر کی مٹی تلے سوئی ہوئیں
عزم و ہمت کا مرقع رحم کا پیکر تھیں وہ
صبر و استقلال کا اک قیمتی گوہر تھیں وہ

ان کے دل میں موجزن احیائے دیں کا جوش تھا
دین کی خاطر نہ بچوں کا نہ اپنا ہوش تھا
ان کے ہی ایثار سے الفضل تھا جاری ہوا
ان پہ رکھ تو فضل کا سایہ ہمیشہ اے خدا
صدر لجنہ ابتداء سے تا دمِ آخر رہیں
ساری مستورات کی نظروں کا مرکز آپ تھیں
آج تک دیکھا کبھی ہم نے نہ ان کو خشمگیں
اس قدر صدمے سہے ماتھے پہ بل آیا نہیں
اے کہ تھی سرمایہ مہر و وفا ان کی حیات
اے کہ بِن ان کے نظر آتی ہے سونی کائنات
بعد کی نسلیں ہمیشہ آپ کو رکھیں گی یاد
آپ کی یہ شفقتیں اور آپ کا صدق و سداد
آپ کے گھر کیسے کیسے صف شکن پیدا ہوئے
یہ بجا ہے گر کہوں فخرِ زمن پیدا ہوئے
منہمک ہیں روز و شب وہ خدمت اسلام میں
دین کا پہلو عیاں ہے ان کے ہر اک کام میں
دیکھ کر غمگیں ہمیں، بے تاب ہو جاتی تھیں وہ
اپنی شیریں گفتگو سے ہم کو بہلاتی تھیں وہ
عید کے دن ان کے گھر جمع ہو جاتے تھے ہم
زیست کے دلچسپ عنوانوں میں کھو جاتے تھے ہم

اب خیال عید سے میرا لرز جاتا ہے دل
پچھلی باتیں یاد کر کے سخت گھبراتا ہے دل
سوچتی ہوں شام کو اب کس جگہ جائیں گے ہم
اپنی امی جان کو اب کس جگہ پائیں گے ہم
لیک ہم شکوہ خدا کا لب پہ لا سکتے نہیں
راز کو آقا کے بندے اس کو پا سکتے نہیں
پا نہیں سکتے کبھی باتوں کو ہم افلاک کی
شاید اس میں مصلحت ہو کچھ خدائے پاک کی
ہے دعا حاصل ہو اس کی روح کو عالی مقام
اور اس کی پاک ہستی پر ہوں لاکھوں ہی سلام

(مصباح نومبر ۱۹۵۸ء)

امی جان کے بعد

(بیگم صاحبہ صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب)

وہ تسلی وہ تشفی میں کہاں سے پاؤں
قلب مضطر کے سکوں کو میں کہاں سے لاؤں
درد مند من کی دوا کو میں کہاں سے ڈھونڈوں
شفقت مادرِ مُشفق کو کہاں سے پاؤں
دل مرا بیکل و بے چین ہے دردوں سے نڈھال
میں اس افسردہ طبعیت کو کہاں بہلاؤں
وہ سکون جو مجھے ملتا تھا کبھی آپ کے پاس
وہ سکون ہو گیا میرا ہے مبدل بہ ہراس
نہ وہ الفت کی نگاہیں نہ وہ شفقت کی نظر
نہ وہ دل سوز دعائیں نہ وہ پہلی سی قدر
کون راتوں کی دعاؤں میں کرے گا اب یاد
کون گر دِن میں نہ دیکھے گا ، تو ہو گا بے تاب
کس کی بے چین نگاہیں ہمیں ڈھونڈیں گی وہاں
کون کِھل جائے گا غنچے کی طرح دیکھ کے واں
آپ ہی سے وابستہ یہ امیدیں تھیں
اب حزیں دل ہیں فقط حسرتیں ہیں جن میں مکیں

دیکھ سکتی نہ تھیں وہ ایک بھی آنسو جن میں
اب انہی آنکھوں سے اشکوں کے ہیں دھارے بہتے
کوئی بھی روکنے والا نہیں ان کو صد حیف
آپ کی یاد میں جو خوں کے ہیں نالے بہتے

ہر جگہ دیکھا مگر زخموں کا مرہم نہ ملا
لاکھ ڈھونڈا مگر افسوس کہ ہمدم نہ ملا
میرے مولا نہ اگر تیرا سہارا ملتا
ڈوبتی نیا کو اپنی نہ کنارہ ملتا

(مصباح نومبر ۱۹۵۸ء)